

فیضانِ امامِ ربانی



از قلم

سیر التحریر حضرت مولانا عبد الحکیم خان صاحب اختر شاہان پورن پورن

شائع کردہ

ادارہ غوثیہ رضویہ

کرم پارک مصری شاہ - لاہور - پاکستان

نام کتاب 59705 فیضانِ امام ربانی

مصنف مولانا عبدالحکیم خان اختر صاحب مجددی منطہری شاہجہانپوری

مطبع محمود ریاض پرنٹرز

اشاعت بار دوم ۱۹۸۹ء، ۱۳۰۹ھ

ناشر ادارہ غوثیہ رضویہ مکان نمبر ۲۰ گلی نمبر ۲۲ بی۔

کرم پارک مصری شاہ لاہور۔ ۳۹۔

ہدیہ:- ایصالِ ثواب بحق قبلہ صوفی محمد اللہ داتا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

اور
دُعائے خیر بحق معاونین ادارہ

نوٹ:- یہ کتاب مبلغ ۴ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر مفت طلب فرمائیں۔

ملنے کا پتہ

ادارہ غوثیہ رضویہ

کرم پارک مصری شاہ پوسٹ کوڈ ۵۴۹۰۰ لاہور (پاکستان)

254

انتساب

احقر اپنی اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو مجددانہ حاضرہ، امام احمد رضا خاں
بریلوی قدس سرہ کے خلیفہ اجل حضرت مبلغ اسلام شاہ عبدالعلیم صدیقی
میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے جگر گوشہ یعنی علامہ شاہ احمد نورانی مدظلہ کی جانب منسوب
کرنے میں خاص روحانی و ایمانی لطف و لذت محسوس کرتا ہے کیونکہ اس
گئے گزرے زمانے میں موصوف کی ذات کو اپنے اور بیگانے، علمائے برحق
کی گونج دار آواز اور حق و صداقت کی نشانی ماننے اور کہنے پر مجبور ہیں۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَىٰ ذٰلِكَ - ع

گر قبول اُفتد زہے عتد و شرف



اختر شاہ جہان پوری مظہری عفی عنہ

لاہور

فہرست

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۵	منقبت حضرت مجدد الف ثانی	۱
۸	نذر عقیدت امام احمد رضا خاں بریلوی	۲
۱۰	چل مرے خامہ بسم اللہ	۳
۱۵	ملک صاحب کا پہلا جال	۴
۱۸	مذکورہ جال بیت عنکبوت ہے	۵
۵۸	دوسرا جال اور اس کا بد حال	۶
۶۵	فتنہ و ہابیت کی تخم ریزی	۷
۷۱	اینگلو انڈین علماء ساز فیکٹری	۸
۷۲	دیوبند اور علی گڑھ میں برطانوی مفادات کی فیکٹریاں	۹
۸۰	امام الوہابیہ اینڈ کمپنی کی برٹش نوازی	۱۰
۹۰	غیر مقلدین کی برٹش نوازی	۱۱
۱۰۱	غیر مقلدین کو اہل حدیث کس نے بنایا؟	۱۲
۱۰۲	برٹش نوازی کا علی گڑھی ریکارڈ	۱۳
۱۰۷	دیوبندی حضرات کی برٹش نوازی	۱۴
۱۱۲	غلط فتووں سے بچو	۱۵
۱۱۵	امام الوہابیہ کی مسلم کشی	۱۶
۱۲۰	مسلمانوں کو کافر ٹھہرا کر لوٹنا	۱۷
۱۲۲	مسلمانوں کی آبروریزی اور نام نہاد مجاہدین کی عیاشی	۱۸
۱۲۶	برطانوی امیر المومنین کی جہانباتی	۱۹
۱۲۹	امام احمد رضا خاں پر حملہ	۲۰
۱۳۲	تاثرات	۲۱

منقبت

حضرت مجدد الف ثانی

مرے دل میں محبت ہے مجدد الف ثانی کی
 مرا توشہ عقیدت ہے مجدد الف ثانی کی
 خوش قسمت جو یہ سر منہ سے پیغام آجائے
 نہ گھبراتھو پہ شفقت سے مجدد الف ثانی کی
 جہانگیری نہ جس کو کر کی خم سامنے اپنے
 فقط وہ استقامت ہے مجدد الف ثانی کی
 نہ بدلے آپ، سارے ملک کی قسمت بدل ڈالی
 یہ محکم عزم و ہمت ہے مجدد الف ثانی کی
 وہ نکلے جامہ الفقر و خیری زین تن کر کے
 اس دم خم سے عزت ہے مجدد الف ثانی کی
 کٹھن حالات میں اچانے دین مصطفیٰ کرنا
 بڑی سب سے کرامت ہے مجدد الف ثانی کی
 جو مکتوبات کو دیکھا تو یوں اہل نظر بولے
 یہ محنت بیش قیمت ہے مجدد الف ثانی کی
 سمجھ لے کوئی گران کو تو ہیں یہ مرشدِ کامل
 وہ مکتوبات دولت ہے مجدد الف ثانی کی
 جو تن من دھن خدا کی راہ میں قربان کر ڈالے
 تو دنیا بھر میں شہرت ہے مجدد الف ثانی کی

مقامِ غوثِ اعظم تو بلائے شاہِ جیلاں کو
 مگر شاملِ نیابت ہے مجددِ الف ثانی کی
 یہ نائبِ غوثِ اعظم کے، یہ سلطانِ ولایت ہیں
 نرالی شان و شوکت سے، مجددِ الف ثانی کی
 کہیں گے حضرتِ مہدیؑ خدا راضی ہو ان سے
 مجھے حاصل یہ نسبت ہے مجددِ الف ثانی کی
 ڈھلے وہ اتباعِ سنتِ نبوی کے سانچے میں
 مبارک خو و نصلت ہے مجددِ الف ثانی کی
 مرے سرکار کو بدعت سے بھتی پیدائشی نفرت
 بڑی پر نور فطرت ہے مجددِ الف ثانی کی
 رہے مہر دہ وہ حقانیت کی سر بلندی میں
 یہی مشہور عادت ہے مجددِ الف ثانی کی
 کہا مرشد نے ہم تارے تو یہ مہرِ درخشاں ہیں
 گماں سے دور رفعت ہے مجددِ الف ثانی کی
 کسی گمراہ فرقے سے نہیں ان کا تعلق تھا
 جماعتِ اہل سنت سے مجددِ الف ثانی کی
 رہے اہل نظر بھی اس کے ہیں اور اک سے عاجز
 بڑی بے کیف نسبت ہے مجددِ الف ثانی کی
 حق و باطل میں پھر تفریقِ مشکل ہوتی جاتی ہے
 زمانے کو ضرورت ہے مجددِ الف ثانی کی
 وہ جس کے روعے نور سے اندھیر بھاگ نکلے تھے
 بسی ہر دل میں صورت ہے مجددِ الف ثانی کی

یہی ہیں نقشبندی آسماں کے نیر تاباں
 بڑی ہی قدر و قیمت ہے مجددِ الف ثانی کی
 وہ حق کی سر بلندی کے لئے دنیا میں آئے تھے
 یہ کتنی پاک سیرت ہے مجددِ الف ثانی کی
 جن اسرار و معارف سے اٹھایا آپ نے پرہ
 وہی تو خاص قسمت ہے مجددِ الف ثانی کی
 جدھر دیکھو جہاں میں فیض ہے سر ہند کا جاری
 ہوئی بارانِ رحمت ہے مجددِ الف ثانی کی
 مزار ان کا زمینِ ہند میں ہے چشمہء حیواں
 گلی گلزارِ جنت ہے مجددِ الف ثانی کی
 قیامت تک پھلا پھولا سے سر ہند کا گلشن
 انوکھی ہی یہ منبت ہے مجددِ الف ثانی کی
 وہ اختر کر گئے ہیں گھر دلوں میں اہل ایماں کے
 یوں باطن پر حکومت ہے مجددِ الف ثانی کی

نذیر عقیدت

(از علامہ عبدالحکیم خاں اختر مجددی منظری شاہجہان پوری)

امام اہل سنت کون ہے، میرے شہا تم ہو
یہ بیڑہ سنیوں کا اور اس کے ناخدا تم ہو
وہ جس کی ذات پر ہے فخر انگلوں اور کچھلوں کو
بفضل حق وہی حقانیت کے رہنما تم ہو
وہ توحید و رسالت کے معانی جس نے سمجھائے
حصار دین و ملت، ہادی راہِ ہدی تم ہو
محافظ تھا جو ناموس رسالت کا زمانے میں
جسے یہ فخر تھا کہ ہوں میں عبد المصطفیٰ تم ہو
وہی جو عظمت ختم الرسل کا پاسباں بٹھرا
غزلیق بحر اُلفت، عاشق نور خدا تم ہو
قبولیت ملی ہے جس کو دربار رسالت میں
رضائے احمد مختار یا احمد رضا تم ہو
کیا اسلام زندہ جس محی الدین ثانی نے
مسلمانوں کا تھا اس دور میں جو آسرا تم ہو
کلماتِ غزالی اور رازی کا مرقع ہو
سیوطی اور محقق دہلوی والی ضیاء تم ہو

علومِ ابنِ عربی، سوزِ رومی، عشقِ جامی بھی
 سمایا جس کے سینے میں وہ قطبِ الاولیاء تم ہو
 شریعت میں امامت کا رہا سہرا تمہارے سر
 جو ہے اہلِ طریقت کے لئے قبلہ نما تم ہو
 امامِ بوحیفہ کے ادھر نورِ نظر کھڑے
 طریقت میں ادھر بھی نائبِ نبوت الوری تم ہو
 حرمِ والوں نے ہو کر یک زبان اعلان فرمایا
 علوم و معرفت میں آج کل سب سے سوا تم ہو
 وہ جس کے زہد و تقویٰ کو سراہا شانِ والوں نے
 کہا یوں پیشواؤں نے ہمارے پیشوا تم ہو
 حقیقت کے ملے ہیں دین و ایمان آپ کے گھر سے
 شریعت کے محافظ اے شہِ احمد رضا تم ہو
 تمہیں تو قافلہ سالار ہو نوری جماعت کے
 ہدایت کی کسوٹی دورِ حاضر میں شہا تم ہو
 حدائقِ جس نے بخشش کے بسا حبِ نبوی کے
 مدینے کا وہ بلبل، طوطیِ نغمہ سرا تم ہو
 عمائدِ کفر کے جس نے سرِ میداں پچھاڑے تھے
 علمبردارِ شانِ مصطفیٰ، شیرِ خدا تم ہو
 جو بارہ سو چھیا سی سن سے کے کر آخری دم تک
 ہو چون سالِ مذہب کی حمایت میں لڑا تم ہو
 ہدایت کے تمہیں اس دور میں ہو نیرِ تاباں
 بے یہ بے نور اختر اس میں بھی جلوہ نما تم ہو

پہلے سرے خامہ بسم اللہ

حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرسندی قدس سرہ العزیز (المتوفی ۱۰۳۲ھ) (۱۶۲۴ء) اُن مخصوص بزرگانِ دین اور اولیائے کاملین میں سے ہیں جنہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں خدمتِ اسلام و حفاظتِ دین کا مقدس فریضہ ادا کیا اور بد مذہبی اور بے دینی کے پھرے ہوئے سیلاب کے سامنے آہنی دیوار بن کر کھڑے ہوئے۔ ایسے بزرگوں کو اصطلاحِ شرع میں مجدد کہا جاتا ہے۔ فرمانِ رسالت ہے :-

بے شک ہر صدی کے سرے پر اللہ تعالیٰ ایک ایسا شخص (مجدد) بھیجتا رہے گا جو اُمتِ محمدیہ کے لئے اُن کا دین تازہ کر دیا کریگا۔

إِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلِيًّا
رَأْسًا مِنْ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ
يُجَدِّدُ لَهَا أَمْرَ دِينِهَا

علمائے کرام کی تصریحات کے مطابق گزشتہ صدیوں میں جن بزرگوں نے کارِ تجدید سرانجام دیا، کشتیِ امت کے اُن ناخداؤں اور سرمایہ ملت کے اُن نگہبانوں کی فہرست تو بہت طویل ہے کیونکہ محدثین، فقہاء اور صوفیائے کرام نے اپنے اپنے گروہ کے بعض بزرگوں کو اس فہرست میں شامل کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے۔ اسحق یہاں صرف اُن حضرات کے اسمائے گرامی پیش کرتا ہے جن کے مجدد ہونے پر اکثر بزرگوں کا اتفاق ہے۔

پہلی صدی - حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۱۰۱ھ) اس صدی کے مجدد ہیں۔
دوسری صدی - امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۰۴ھ) اور امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۰۴ھ) اس صدی کے مجدد ہیں۔

تیسری صدی - امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۲۰ھ)، امام محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۲۰ھ) اور امام ابو جعفر طحاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۲۱ھ)

لہ سنن ابوداؤد، باب ما یذکر فی قرن المائۃ

پونہتی صدی۔ ام ابو حامد الاسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۷۱ھ)

پانچویں صدی۔ حجۃ الاسلام، ام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۰۵ھ)۔

چھٹی صدی۔ ام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۰۶ھ)۔

ساتویں صدی۔ ام تقی الدین بن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۰۲ھ)

آٹھویں صدی۔ حافظ زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۰۶ھ)، ام سراج الدین

بلقینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۶۸ھ)، ام شمس الدین جزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۳۳ھ)۔

نویں صدی۔ خاتم الحفاظ ام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) ام

شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۰۲ھ)

دسویں صدی۔ علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) علامہ شمس الدین

بن شہاب الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۰۰ھ)

گیارہویں صدی۔ ام ربانی، مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۱۰۳۴ھ) اور بقول بعض شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۵۲ھ)

بھی کار تجدید میں شریک ہیں۔ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو مجدد الف ثانی اس لئے

کہا گیا ہے کہ آپ گیارہویں صدی ہی کے نہیں بلکہ ایک لحاظ سے دوسرے ہزار سال کے بھی

مجدد ہیں۔ اس لئے آپ کو اگر مجدد اعظم کہا جائے تو بجا ہے۔

بارہویں صدی۔ سلطان محی الدین اوزبک زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۱۸ھ)

تیرھویں صدی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ)

شاہ غلام علی نقشبندی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۴۰ھ)

چودھویں صدی۔ فقیہ اعظم اعلیٰ حضرت ام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی

۱۳۴۰ھ)، محقق دوران علامہ یوسف بن اسماعیل بنہانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۵۰ھ)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے اپنے دور میں جس انداز سے تجدیدی

کارنامہ انجام دیا وہ تاریخ کی معتبر کتابوں اور خود آپ کے مکتوبات شریفہ سے واضح ہے۔

آپ کی دیگر تصانیف اور مکتوبات ام ربانی کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ایک

متجر عالم، عظیم المرتبت شیخِ طریقت، صاحب کشف و کرامت بزرگ، قلم کے دھنی، بلند پایہ ادیب، عظیم محقق، بے باک مجاہد، صاحب نظر، مفکر اور نبضِ وقت کی رفتار پر ہاتھ رکھنے والے دانشور تھے۔ اسی لئے وقت آنے پر آپ نے سرمایہ ملت کی نگہبانی کے لئے تن، من، دھن اور پوری صلاحیتوں کو وقف کر دیا تھا۔

اکبری دور میں بے دینی کا سیلاب اُٹھ آیا تھا اور حکومت کی سرپرستی میں شعائر اسلام کو ٹٹا کر ان کی جگہ شعائر کفر کی ترویج کی جا رہی تھی — علماء کا ایک گروہ اس ناروا حرکت میں حکومت کا ہاتھ بٹا رہا تھا اور اُس کی بے دینی پر شریعت کی تصدیقی مہر ثبت کرتا رہتا تھا — غلط کارِ صوفیہ نے تصوف کو غیر اسلامی رنگ میں پیش کرنا اپنا شعار بنا رکھا تھا — روافض علیحدہ اپنا دامِ ہمزنگِ زمین بچھا رہے تھے — بدعات کے ہمہ گیر سیلاب نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا — اہل اسلام کے گھروں میں کفار و مشرکین کی رسوم گھستی جا رہی تھیں۔

اس نازک دور میں جبکہ حکومت، علمائے سوع اور غلط کارِ صوفیہ اس ساری خرابی کے ارکانِ ثلاثہ بلکہ علمبردار بنے ہوئے تھے، کشتیِ ملت بے دینی کے سیلاب میں گھری ہوئی ہچکولے کھا رہی تھی، ساحلِ حدِ نظر سے دُور اور بادِ مخالف کا زور تھا! تو ملتِ اسلامیہ کی اس بکیسی پر کُڑھنے والے تو بہت تھے لیکن کشتیِ ملت کی ناخدائی کا فریضہ انجام دینے، مردِ میدان بننے اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی کوئی جرأت نہیں کر سکا تھا — اس کس میری کے عالم میں سرسند شریف سے محمدی کچھار کا ایک فاروقی شیر گر جتا، دندنا تا اور بلبلاتا ہوا اٹھتا ہے۔ میدانِ کارزار میں کودتا اور خرابی کے ارکانِ ثلاثہ سے پنجہ آزما و معرکہ آرا ہوتا ہے۔ سننے والوں نے سنا کہ اس مردِ میدان کی آمد کے وقت فضاؤں میں یہ نغمہ گونج رہا تھا۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بھایا نہ جائیگا

آپ نے کارِ تجدید شروع کیا تو علمائے سوع نے بادشاہ نور الدین جہانگیر کے کان بھرنے شروع کئے۔ حق و صداقت کے راستے میں بساط بھر روڑے اٹکائے۔ نوبت

بایں جا رسید کہ دور ابتلا شروع ہو گیا اور اس ناخداے کشتی ملت کو قید و بند کی صعوبتوں سے گزرنا پڑا۔ لیکن سرمایہ ملت کا یہ نگہبان ہر حالت میں خدمت دین متین اور خیر خواہی مسلمین کا کام کرتا رہا۔

آپ کی انتھک کوشش، سلسل جدوجہد اور صداقت آخر کار رنگ لائی۔ وہی جہانگیر جو آپ کو گوالیار کے قلعے میں مجبوس رکھنا ضروری سمجھتا تھا، جب اس کی آنکھوں کے آگے سے پردہ ہٹا، صداقت و حقانیت نے اُسے اپنا رنگ دکھایا تو مخالفت کو چھوڑ کر مقتد بن گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی شعائر کا احترام ہونے لگا، شعائر کفر بند ہونے شروع ہو گئے۔ علمائے سوؤ اور غلط کار صوفیہ نے راہ راست اختیار کر لی اور بعض ملکِ عدم کو سدھار گئے۔ عزیزیکہ گلشنِ اسلام میں پھر بہار آگئی۔

فرمانِ رسالت ہے يُجَبِّدُ لَهَا أَمْرًا دِينَهَا۔ مجددِ اس اُمت کیلئے اس کے دین کو تروتازہ کر دیا کریں گے۔ اکبری دور میں لوگ حیران و پریشان تھے کہ متحدہ ہندوستان کے اندر تو گلشنِ اسلام نہ صرف خزاں رسیدہ بلکہ پامال ہونے کے قریب جا پہنچا ہے۔ یہ کس طرح تروتازہ ہو گا؟ حضرت ام ربانی، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس خزاں رسیدہ گلشن کو بہاروں سے ہمکنار کر کے سدا بہار بنا کر دکھا دیا۔

ابرِ رحمت اُن کے مرقد پر گہر باری کرے

حشر میں شانِ کربھی ناز برداری کرے

جس سرہندی مردِ حق آگاہ سے قدرت نے اپنی حکمتِ کاملہ کے ساتھ ایسا اہم کام لیا، انہیں مقبولیت بھی خدائے ذوالمنن نے اتنی عطا فرمائی کہ اہلسنت و جماعت کے علاوہ مبتدعین بھی انہیں بزرگ مانتے، اُن کے تجدیدی کارناموں کو تسلیم کرتے اور سراہتے ہیں۔ بلکہ اپنے اپنے مسلک کو برطانوی دور کی پیداوار ہونے کے باوجود آپ کی طرف فخریہ منسوب کرنے میں مصروف رہتے ہیں، جیسا کہ اُن حضرات کی تصانیف سے ظاہر ہے اور اس امر کا تازہ ثبوت تعلیماتِ مجددیہ نامی کتاب بھی ہے جو ملکِ حسن علی صاحب شرقی پوری کی تصنیف ہے اور اسی جذبے کے تحت لکھی گئی ہے۔

چند روز ہوئے کہ مولانا سعید احمد صاحب نقشبندی مجددی مدظلہ نے اپنی تصنیف
مسکبِ امام ربانی کے دوسرے ایڈیشن کا مسودہ اور تعلیماتِ مجددیہ کتاب دیتے ہوئے
اپنی کتاب کا دیا پہ لکھنے کی فرمائش کی۔ راقم الحروف کو بھی چونکہ حضرت امام ربانی، مجدد
الف ثانی، شیخ احمد سرہندی فاروقی قدس سرہ العزیز کے غلاموں کی فہرست میں شامل ہونے
کا شرف حاصل ہے۔ لہذا تعمیل ارشاد کے لئے تیار ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ میرے ان ٹوٹے پھوٹے
لفظوں کو قبول فرمائے، آمین

در اصل تعلیماتِ مجددیہ کتاب کا حضرت امام ربانی کی تعلیمات سے ہرگز وہ تعلق نہیں
ہے جس کا ملک حسن علی صاحب تاثر دے رہے ہیں بلکہ ان تاثرات میں بڑی حد تک ملک
صاحب کی کارگیری کار فرما ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
تو اول و آخر سنی ہیں اور مذہبِ اہلسنت و جماعت پر چلنے والوں کو ناجی گروہ قرار دیتے ہیں
نیز اس گروہ کے علاوہ ہر فرقے کو خواہ وہ اسلام کے حقیقی ٹھیکیدار اور حقانیت کے علمبردار
ہونے کا کتنا ہی ڈھول کیوں نہ پیٹ رہا ہو، گمراہوں میں شمار کرتے ہیں اور اہلسنت و جماعت
کی بال برابر مخالفت کو ہلاکت قرار دیتے ہیں۔

اس کے برعکس ملک صاحب اپنے جملہ وہابی گروہوں کو مطمئن کرنے کی کوشش فرماتے ہیں
اور انہیں تسلی دیتے ہیں کہ جس راستے پر وہ چل رہے ہیں حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ
کی تعلیمات بھی اسی سے مطابقت رکھتی ہیں اور سرمایہ ملت کے اس نگہبان کے عقائد و
نظریات بھی وہابیوں کے عین مطابق تھے۔ یہی وہ مغالطہ ہے جس کی خاطر تعلیماتِ مجددیہ
کے نام سے ملک صاحب کو ۵۶۸ صفحے سیاہ کرنے پڑے ہیں۔

راقم الحروف تعلیماتِ مجددیہ کتاب کے بارے میں ایک لفظ بھی لکھنے کا ارادہ نہیں
رکھتا تھا بلکہ جو کچھ میسر آتا وہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مسکب سے متعلق لکھتا
لیکن ملک حسن علی صاحب کے دو بیانات ایسے نظر سے گزرے جنہوں نے رہوارِ قلم کا رخ
ادھر سے ادھر پھیر لیا — موصوف نے ابتدائی عنوان تصدیق کے تحت لکھا ہے۔
”اگر اہل اسلام انصاف سے کام لے کر شیخ مجددی کی تعلیمات کو آوازہ گوش

بنائیں تو مسلمانوں کی بہت سی تلخیاں دُور ہو سکتی ہیں اور بہت سے خانہ برانداز
جھگڑے نمٹائے جاسکتے ہیں۔“ لے

اور دوسرے مقام پر ملک صاحب نے اسی بات کو یوں دہرایا ہے۔۔
”آپ کی تصنیفات میں آپ کے مکتوبات کو آپ کا شاہکار ہونے کی حیثیت
حاصل ہے۔ ان مکتوبات میں ہر دور اور ہر وقت کے لئے مناسب ہدایات
موجود ہیں۔ اس کتاب میں دورِ حاضر کے قریب قریب تمام متنازعہ فیہ مسائل
کا حل پایا جاتا ہے۔ اگر وہ تمام جماعتیں جو اپنے آپ کو اہلسنت و الجماعت سمجھتی
ہیں اور آئمہ سلف سے اپنی نسبت جوڑتی ہیں، دیانتداری سے اپنے اختلافی
مسائل میں اس مجددِ اعظم کے مکتوبات کو اپنا حکم بنالیں تو انشاء اللہ اختلافات
رفع ہو جائیں گے۔“ لے

ملک حسن علی صاحب کی تجویز ہمیں دل و جان سے منظور ہے۔ دوسرے حضرات جب
چاہیں مکتوبات کو حکم مان کر اختلافی مسائل کا تصفیہ کر سکتے ہیں۔ ہم ان سے بات چیت کیلئے
ہر وقت تیار ہیں۔ ہمیں اپنے ہی ایک مائے ناز بزرگ کو حکم تسلیم کر لینے میں کیا ہچکچاہٹ
ہو سکتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ملک صاحب فریقِ ثانی کو کب اور کس طرح آمادہ کر کے
ہمیں اطلاع دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی احقر کو بصدافنوس یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ خود
ملک صاحب نے تعلیماتِ مجددیہ کے اندر اپنے اس اعلان کو قطعاً مد نظر نہیں رکھا بلکہ
جہاں اپنی کتاب کو خوشنما بیانات اور تالیفِ قلوب کے ساز و سامان سے لیس کیا ہے۔ وہاں
علمی خیانت، دھاندلی اور دیانت و انصاف کا خون کرنے میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہیں کی۔
شاید موصوف کو اس طرزِ عمل میں دنیا و آخرت کی بہتری نظر آئی ہوگی۔

پہلا جال۔ ملک صاحب کے اعلانات و دعاوی کے بارے میں تو آگے چل کر

لے تعلیماتِ مجددیہ، مبلووعہ چٹان پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۶۵ء، ص ۲۳
عہ ملک صاحب کو اپنی علمیت کی لاج رکھتے ہوئے اہل سنت و جماعت یا اہل سنت و الجماعت کو کھنا چاہیے تھا

لے تعلیماتِ مجددیہ، ص ۲۷

کچھ عرض کیا جائیگا، تعلیماتِ مجددیہ کے چند خوشنما بیانات پہلے ملاحظہ فرمائیے کہ مسلمانانِ اہلسنت وجماعت کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی مدح خوانی کر کے کس طرح حال میں پھنسانے کی کوشش کی گئی؟ پچنانچہ تعلیماتِ مجددیہ کے پیش لفظ میں مولوی محمد ناظم صاحب یوں رقمطراز ہیں:-

” ایسے پر آشوب دور اور پرفتن عہد میں فاروقی خانوادہ کا ایک پاک باطن، ذرفِ نگاہ، عالمِ ربانی، اپنے وقت کا سب سے بڑا صوفی، حلقہٴ علماء میں چید عالم اور مجاہدین کی صف میں قلمِ حق نگاہ کی تیغ برآں لئے عزمِ فاروقی کے ساتھ دہلی و سرہند میں نمودار ہوتا ہے۔ صوفیہ کی غلطیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ وحدت و کثرت کی تشریح کرتا ہے۔ اسلامی توحید کو قرآنِ حکیم کی آیات اور احادیثِ نبویہ سے مدلل بیان کرتا ہے۔ تمام بدعات، منکرات اور الحاد و لادینیت کی جڑ پر ضرب لگاتا ہے۔ وہ نہایت واضح، بلیغ اور موثر اسلوبِ بیان اور دلادیز طریقہ کے ساتھ اپنے دوستوں، مریدوں اور طالبانِ حق کو دینِ فطرت (اسلام) کی کھٹوس اور صحیح تعلیمات کی دعوت دیتا ہے۔“ لہ

جامع الہدایت گو جرانوالہ کے خطیب اور جمعیت الہدایت مغربی پاکستان کے سابق مرکزی صدر یعنی مولوی محمد اسماعیل صاحب نے اس کتاب کے دیباچے میں مکتوباتِ امام ربانی کے متعلق اپنے تاثرات ان لفظوں میں بیان کئے ہیں:-

” مکتوباتِ علم و حکمت کا اتنا مقدس ذخیرہ ہے جس کی نظیر متاخرین کی تصانیف میں نہیں مل سکتی۔“ لہ

پنجاب یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر علامہ علاؤ الدین صدیقی نے مکتوباتِ امام ربانی کے بارے میں تقدیم کے تحت اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے:-

” شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات و مکتوبات مشتاقانِ حقیقت کے لئے ایک بے بہا ذخیرہ ہیں۔ گم گشتگانِ راہِ ہدایت کے لئے وسیلہٴ ہدایت

لہ۔ تعلیماتِ مجددیہ، مطبوعہ لاہور، ص ۴
۲۔ ایضاً، ص ۱۴

اور سرچشمہ بصیرت میں " لے

اور خود ملک حسن علی صاحب کی اس مجموعہ مکتوبات کے بارے میں رائے یہ ہے۔

"ان مکتوبات میں مسئلہ توحید کو نہایت پسندیدہ اسلوب اور بدیع طرز میں سے سلجھایا گیا ہے۔ حضرت شیخ احمد سرسندی کا نظریہ توحید عین قرآنی حقائق کا آئینہ دار ہے۔ بدعات کی شب تاریک میں حضرت شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے تہناسنت و ہدایت کی مشعل روشن کی، سلوک و تصوف کے اندر سینکڑوں برس سے جو آلائشیں آگھسی تھیں، ان سب کو چھانٹ کر ایسا سلوک و تصوف پیش کیا جس کی بنیاد کتاب و سنت پر تھی۔" لے

دوسرے مقام پر موصوت نے حضرت امام ربانی اور مکتوبات شریف کے بارے میں یوں لکھا ہے۔

"حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی پرواز بہت بلند ہے۔ وہ اشاروں اور نکتوں میں بڑے بڑے عالی مضامین کو سمجھا دیتے تھے۔ اس ملک پاک ہند کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے وجود کرامی پر ناز ہونا چاہیے جس کے اندر ان قسم کا عالی مقام بزرگ پیدا ہوا جس نے از سر نو پیغام محمدی کی تجدید کی۔ ملک صاحب اور ان کے ساتھیوں نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے مکتوبات کے متعلق ایسے تاثرات پیش کئے ہیں، جن سے وہابیوں کا ان سے کلی اتفاق ظاہر ہوتا اور صورتحال سے بے خبر لوگوں کو یوں محسوس ہونے لگے گا کہ جب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے وہابیوں کو اتفاق ہے تو وہ اہلسنت کے بزرگ نہیں ہوں گے یا موجودہ اہلسنت نے ہی اپنے مذہب میں کچھ ترمیم و اضافہ کر لیا ہے ورنہ بزرگوں کا مذہب ہی وہابیت ہوگا۔ حالانکہ صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے جیسا کہ ابھی واضح کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

لے تعلیمات مجددیہ، مطبوعہ لاہور: ص ۱۹

لے ایضاً، ص ۲۷

لے ایضاً، ص ۶۵، ۶۶

مذکورہ جال بیت عنکبوت ہے۔ اگر ملک حسن علی صاحب اور ان کے

یہ تینوں سادھی اپنے مذکورہ بیانات و اعلانات میں مخلص ہیں اور ان بیانات کے ذریعے کسی کو دھوکا دینے اور جال میں پھنسانے کا ارادہ نہیں ہے تو کیا ہم ان حضرات سے یہ سوال کر سکتے ہیں کہ جناب والا! غور تو فرمائیے کہ آپ کے ممدوح یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ تو پکے سنی اور خالص حنفی تھے۔ مذہب اہلسنت و جماعت ہی کو ناجی گروہ بتاتے اور اس کے علاوہ باقی ہر نئی اور پرانی جماعت کو گمراہ فرقہ شمار کرتے تھے، ان حالات میں آپ برحق جماعت، ناجی گروہ اور سوادِ اعظم کو چھوڑ کر ایسی جماعت میں کیوں شامل ہیں جس کا سنگ بنیاد بھی حضرت امام ربانی کے دو سو سال بعد برٹش گورنمنٹ نے دہلی میں رکھا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو حقانیت کا علمبردار جانتے اور مانتے ہوئے آپ حضرات کا ان کی جماعت سے علیحدہ رہنا کس وجہ سے ہے؟ حضرت امام ربانی کی جماعت سے علیحدہ رہتے ہوئے آپ کے مذکورہ بیانات کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے؟

قربان جائیں اس فاروقی مجددِ اعظم کی مومنانہ فراست پر کہ جہاں آپ نے اپنے وقت کی خرابیوں کا ازالہ کیا، وہاں آنے والے فتنوں کے سدباب کا اہتمام بھی فرماتے رہے۔ قارئین کرام کی تسکین کے لئے ہم ذیل میں چند ایسے حقائق پیش کرنا چاہتے ہیں جن کی روشنی میں ہر منصف مزاج کو وہاں بیت اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مسک میں واضح فرق نظر آنے لگے گا۔ وبالله التوفیق

(۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے داؤد ظاہری والے ارکانِ تقلید کے فتنے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا، جس کی قیادت آپ کے دور میں ملاً مبارک ناگوری (المتونی ۱۰۰ھ / ۱۵۹۳ء) اور اس کے عہدہ وزارت پر متمکن دو قاضی صاحبزادے کر رہے تھے یعنی ابوالفضل علامی (المتونی ۱۰۱ھ / ۱۶۰۲ء) اور ابوالفیض فیضی (المتونی

۱۰۰۲ھ / ۱۵۹۵ء) — حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں واضح لفظوں میں تقلیدِ آئمہ پر بڑا زور دیا ہے اور اسے ہر خاص و عام کے لئے ضروری ٹھہرایا ہے۔ انصاف کی عینک لگا کر ذرا مکتوبات کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائی جائے۔

اربابِ ولایتِ خاصہ با عامہ مومنوں
در تقلیدِ مجتہدان برابر اند۔ کثوف والہامات
ایشاں را عزیت نمی بخشد و از ربقہ تقلید
نمی برآرد۔ ذوالنون و بسطامی و جنید و شبلی
بازید و عمر و بکر و خالد کہ از عوام مومنوں اند
در تقلیدِ مجتہدان در احکامِ اجتہاد یہ مساوی

مجتہدین کی تقلید کرنے میں خاص اولیائے کرام بھی عام مسلمانوں کے برابر ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے مکاشفات والہامات کی کوئی برتری نہیں لہذا وہ تقلید سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، جنید بغدادی اور ابو بکر شبلی بھی اجتہادی احکام میں زید و عمر وغیرہ کی طرح مجتہدین کی تقلید کے پابند ہیں۔

اند۔“ لہ

جائے غور ہے کہ حضرت ذوالنون مصری (المتوفی ۲۴۵ھ)، حضرت بایزید بسطامی (المتوفی ۲۶۰ھ)، حضرت جنید بغدادی (المتوفی ۲۸۷ھ) اور حضرت ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہم (المتوفی ۳۳۲ھ) جیسے اولیائے کرام بلکہ خود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ جیسا نابغہ عصر بلکہ حضرت سیدنا غوثِ اعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ (المتوفی ۵۶۱ھ) جیسے اسلام کے مایہ ناز سپوت اور شہنشاہِ کشور ولایت بھی بقول مجدد صاحب تقلید سے چھٹکارا نہ پاسکے لیکن مبینہ عینِ زمانہ کے عوام و خواص سارے ہی تقلیدِ آئمہ سے آزاد ہو کر اُمتِ مرحومہ کے شیرازے کو منتشر کر رہے ہیں۔ یوں غیر مقلدین حضرات اپنی بے راہ روی سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مقدس روح کو تڑپانے اور آپ کی فاروقی رنگ کو حرکت میں لاتے رہتے ہیں۔

افسوس! آئمہ کی تقلید سے انکار کرنے والوں کی فہمائش میں ملک حسن علی صاحب نے تعلیماتِ مجددیہ میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ ان حالات میں یہی تو سمجھا جاسکتا ہے کہ ملک صاحب نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب میں تعلیمات پیش نہیں کیں بلکہ فتنہ خازن

لے مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، حصہ ہفتم، مطبوعہ لاہور، ص ۱۷

کی موجودہ شکل یعنی دہا بیت پر مکتوبات اہم ربانی سے ہر تصدیق لگانے کی کارگیری دکھائی ہے۔
 دیکھو تو دلفریبی اندازِ نقش یا
 موحِ خرامِ یار بھی کیا گل کتر گئی۔

(۲)

مشہور دیوبندی عالم مولوی بد عالم میرٹھی نے حدیث شریف متعلقہ افتراقِ اُمت کا ذکر کر کے اُس پر یوں علمی بحث کی ہے :-

” اہم ترمذی نے حدیث افتراقِ اُمت روایت کرنے والوں میں چار صحابہ کا ذکر کیا ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمر کی روایت تفصیل کے ساتھ پیش کی ہے اور حضرت سعد اور عوف بن مالک کا صرف حوالہ دے کر چھوڑ دیا ہے۔ پھر اول الذکر صحابی کی حدیث پر صحت کا حکم لگایا ہے اور ثانی الذکر کی حدیث کو غریب قرار دیا ہے :-

ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہود اکھتر یا بہتر فرقوں میں منقسم ہوئے اور نصاریٰ بھی اتنے ہی فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری اُمت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال تفرقت الیہود علی احدى وسبعین فرقة والنصارى مثل ذالك وتفرقت اُمتی علی ثلاث وسبعین فرقة

حافظ سخاوی نے بھی مقاصدِ حسنہ میں اس حدیث کی صحت کو تسلیم کیا ہے اور شیخ محمد طاہر نے تذکرہ الموضوعات میں اسے نقل فرما کر کوئی اختلاف رائے ظاہر نہیں کیا۔ اہم شاہی نے کتاب الاعتصام میں ابو ہریرہ کی روایت پر کئی جگہ صحت کا حکم لگایا ہے (دیکھو جلد ۲، ص ۱۶۳، ۱۷۰، ۲۰۶ اور الموافقات جلد ۲، ص ۷۰) حاکم نے حدیث مذکورہ کو دو جگہ روایت کیا ہے۔

(متدرک جلد ۱، ص ۶، ۱۲۸)۔ ذہبی فرماتے ہیں: علی شرط مسلم یعنی یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔ شارح سفر السعادة نے امام ترمذی کے پیش کردہ ناموں پر گیارہ صحابہ کا اور اضافہ کیا ہے:۔ انس، جابر، ابو امامہ، ابن مسعود، علی، عمر بن عوف، عومیر، ابو داؤد، ابو معاویہ، ابن عمر، واثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اس حدیث کے رواد کی تعداد ۱۵ تک پہنچ جاتی ہے۔ لہٰذا مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ ترمذی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ایک جماعت کے علاوہ باقی سب فرقے جہنمی ہوں گے۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! وہ ایک جماعت کونسی ہے؟ فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

ان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملّة وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملّة کلّهم فی النار الا ملّة واحدة قالوا من ہی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی۔ لہٰذا

اس روایت سے معلوم ہو گیا کہ مدعیان اسلام کی مختلف جماعتوں میں سے ناجی گروہ صرف ایک ہے اور باقی سب گمراہوں کے ٹولے اور جہنم کا ایندھن ہیں۔ ملک حسن علی صاحب کی پیشکش کے مطابق اس بات کا فیصلہ بھی حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی قدس سرہ سے کر دیا جیتے ہیں کہ موجودہ گمراہوں میں سے نجات پانے والی اور برحق جماعت اُن کے نزدیک کونسی ہے۔ چنانچہ آپ اس سلسلے میں یوں فرماتے ہیں:۔

پیغمبر فرمود علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بدستیکہ بنی اسرائیل ہفتادویک فرقہ شدہ بودند کہ ہمہ درنارند مگر کیے اذایشان پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے اکثر فرقے ہو گئے تھے جو سوائے ایک کے سب جہنمی تھے اور عنقریب

لہٰذا ترجمان السنہ، جلد اول، مطبوعہ دہلی، بار اول ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۸ء، ص ۲۱

لہٰذا مشکوٰۃ المصابیح مع مرآت، جلد اول، باب الاعتصام، ص ۱۶۹، ۱۷۰

وزود است کہ اُمت من برہفتاوسہ فرقة
متفرق شوند کہ ہمہ در آتش باشند مگر یک فرقة
ناجیہ - پرسیدند کہ آل فرقة ناجیہ کسانند
فرمود علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام آنانند
کہ باشند بر مثل آنچه من بر آنم واصحاب
من بر آنند علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام -
وآل یک فرقة بر ناجیہ اہل سنت وجماعت
اند کہ ملتزم متابعت آن سرور علیہ وعلی
آلہ الصلوٰۃ والسلام و متابعت اصحاب آن سرور
علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات - اللهم
ثبتنا علی معتقدات اہل السنۃ والجماعۃ
وامتنا فی زمرتهم واحشرنا معهم

لہ

میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ سوائے
ایک ناجی گروہ کے باقی سب فرقے جہنمی ہوں گے۔
عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وآلہ وسلم! وہ ناجی گروہ (نجات پانے والی
جماعت) کن لوگوں پر مشتمل ہوگا؟ نبی کریم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-
وہ گروہ اُن لوگوں کا ہوگا جو میری اور میرے
صحابہ کی راہ پر چلیں گے۔ اُس ایک نجات
پانے والے فرقے کا نام اہلسنت وجماعت
ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
کی متابعت اور آپ کے صحابہ کرام علیہ و
علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی پیروی کا
التزام کرتے ہیں۔ اے اللہ ہمیں اہلسنت
وجماعت کے عقائد پر قائم رکھ، اسی پر
ہمیں موت آئے اور اُن کے ساتھ ہی ہمیں اٹھانا۔

ملک صاحب! ارشادات نبویہ کے تحت اُمت محمدیہ کے تہتر فرقوں میں سے نجات
پانے والا اور حقانیت کا علمبردار صرف ایک گروہ ہوگا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
کی تفسیر نجات کے مطابق وہ ناجی فرقة اہلسنت وجماعت ہے۔ ساتھ ہی آپ نے مجدد صاحب
کے دعائیہ کلمات بھی ملاحظہ فرمائے ہوں گے، ذرا واضح الفاظ میں بتائیے کہ کیا آنجناب
کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فیصلے سے اتفاق ہے۔ ضرور اتفاق کیجئے
کیونکہ آپ تو انہیں حکم منوانے پر زور دے رہے ہیں۔

ملک صاحب! گستاخی معاف، یہاں یہ سوال بھی تو پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ

لہ - مکتوبات اہم ربانی، دفتر دوم، حصہ ہفتم، مطبوعہ لاہور، ص ۵۶، ۵۷

59705

تعلیماتِ مجددیہ کی حقانیت پر یقین رکھتے ہیں اور ان تعلیمات کو حکم بنانے اور اپنانے کی دوسروں کو دعوت دیتے ہیں تو آپ کو خود ان تعلیمات سے اتنا عناد کیوں ہے کہ مجدد صاحب کے بتائے ہوئے ناجی گروہ میں شامل ہونا آج تک منظور نہیں ہوا بلکہ بموجب احادیثِ جہنمی فرقے میں شامل ہونے کا تکلف فرمایا ہوا ہے؟ آخر ایسی رکاوٹ کونسی ہے جو آپ کے مجدد صاحب کے بتائے ہوئے ناجی گروہ میں شامل نہیں ہو دیتی؟

بھلانے پہ بھی قصہء عمد ماضی

بھلایا نہ جائے گا تم سے نہ ہم سے

ملاحظہ تو فرمائیے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سلسلے میں یہ بھی فرمایا ہے۔

نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام امام ابوحنیفہ کے مذہب پر عمل کریں گے یعنی حضرت روح اللہ کا اجتہاد امام اعظم کے اجتہاد کے موافق ہوگا۔ یوں نہ سمجھیے کہ وہ اس مذہب کی تقلید کریں گے کیونکہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان (بوجہ پیغمبری) اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ وہ علمائے اُمت میں سے کسی کی تقلید کریں۔ تکلف و تعصب سے بالاتر ہو کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ کشف کی نظر سے دیکھا جائے تو مذہبِ حنفی ایک دریائے عظیم نظر آتا ہے جبکہ دوسرے مذاہب حوضوں اور نالیوں کے مانند دکھائی دیتے ہیں۔ ظاہری حالات میں بھی یہی نظر آ رہا ہے کہ مسلمانوں کا سوادِ اعظم (سب سے بڑی جماعت)

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از نزول بمذہبِ امامِ ابی حنیفہ عمل خواہد کرد یعنی اجتہاد حضرت روح اللہ موافق اجتہادِ امامِ اعظم خواہد بود نہ آنکہ تقلیدِ این مذہب خواہد کرد علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کہ شانِ او علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ازاں بلند تر است کہ تقلیدِ علمائے اُمت فرماید۔ بے شائبہ تکلف و تعصب گفتہ می شود کہ نورانیتِ این مذہب حنفی بنظر کشفی در رنگِ دریائے عظیم می نماید و سائر مذاہب در رنگِ حیاض و جداول بنظری در آید و بنظاہر ہم کہ ملاحظہ نمودہ می آید۔ سوادِ اعظم از اہل اسلام متابعانِ ابی حنیفہ اند حلیم الرضوان و این مذہب با وجود کثرتِ متابعان در اصول و فروع

۲۵۴۹۲

از سائر مذاہب متمیز است و در استنباط
طریق علیحدہ دارد و این معنی مبنی از
حقیقت است عجب معاملہ است
اہم ابوحنیفہ در تقلید سنت از ہمہ
پیش قدم است۔
۱۵

اہم ابوحنیفہ کے پیروکاروں پر مشتمل ہے۔
اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو۔ یہ مذہب
پیروی کرنے والوں کی کثرت کے علاوہ اصول و
فروع میں دیگر تمام مذاہب سے ممتاز ہے اور
استنباط مسائل میں اس کا طریقہ ہی جدا ہے
اور یہ بات حقیقت پر مبنی ہے۔ یہ عجیب معاملہ
ہے کہ اہم ابوحنیفہ سنت کی پیروی میں دیگر
سارے آئمہ سے آگے ہیں۔

حنفی مذہب کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریات تو
یہ ہیں۔ اس زندہ حقیقت کے باوجود ملک صاحب اس حنفی مذہب کو چھوڑ کر ناجی گروہ
اہلسنت وجماعت سے منہ موڑ کر غیر مقلدین کے نوزائیدہ گروہ میں شامل ہیں۔ شاید
ملک صاحب کے نزدیک مخالف اور موافقت ایک ہی چیز کے دو نام ہوں گے اور اسی لئے
انہوں نے تعلیمات مجددیہ کے صفحہ ۲۸۰ پر ”شیخ مجدد کی اہم ابوحنیفہ سے بے پناہ عقیدت“
کی سُرخ جھا کر مکتوبات شریف کی ایسی متعدد عبارتیں پیش کی ہیں جن میں حضرت مجدد الف
ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اہم اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۵۰ھ) کی تعریف
فرمائی اور حنفی مذہب کو سراہا ہے۔ ان پیش کردہ عبارتوں کا ماہصل یہ ہے۔

- ۱۔ فقہ کے بانی اور صاحب خانہ حضرت اہم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔
- ۲۔ فقہ سے تین چوتھائی حصہ آپ نے اور باقی ایک چوتھائی دیگر فقہانے پایا ہے۔
- ۳۔ اہم شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمام فقہا اہم ابوحنیفہ کی اولاد ہیں۔
- ۴۔ اہم ابوحنیفہ نے ورع و تقویٰ اور سنت کی پیروی کے باعث اجتہاد و استنباط
مسائل میں وہ مرتبہ حاصل کیا ہے جس کو دوسرے حضرات سمجھ بھی نہیں سکتے۔
- ۵۔ حنفی مذہب سنت کی پیروی میں جملہ مذاہب (شافعی، مالکی، حنبلی) سے آگے ہے۔

۱۵ مکتوبات اہم ربانی، دفتر دوم، حصہ ہفتم، مطبوعہ لاہور، ص ۱۵

۶۔ امام ابوحنیفہ دین کے امام اور سب مسلمانوں کے سردار ہیں۔
 ۷۔ امام ابوحنیفہ اور اُن کے سنا عقیدوں کو اصحابِ رائے کہنے والے آپ کی فہم و فراست کو سمجھنے سے قاصر رہ گئے۔

۸۔ آپ پر اعتراض کرنے والے جاہل یا زندقہ ہیں۔ اُن پر ہزار بار افسوس۔
 مکتوباتِ امام ربانی سے اس مفہوم کی عبارتیں نقل کرنے کے باوجود ملک صاحب حنفیت سے گریزاں اور ناجی گروہ اہلسنت و جماعت سے نالاں ہو کر غیر مقلدین کی مٹھی بھر جماعت میں شاداں و فرحاں ہیں۔ اسے کہتے ہیں یَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ یعنی ہاتھی کے دانت کھلنے کے اور ہوتے ہیں اور دکھانے کے اور — بہر حال دلوں کا بدلنا تو اُس ذاتِ باری تعالیٰ کے قبضے میں ہے جو مقلب القلوب ہے۔ احقر کی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بھولے بھٹکے راہیوں، کلمہ طیبہ کے ہمراہیوں کو راہِ ہدایت پر آنا نصیب فرمائے اور ہمیں صراطِ مستقیم پر قائم رکھے، آمین — ہاں ملک صاحب سے یہ گزارش ضرور کروں گا۔

دو رنگی چھوڑ دے، یک رنگ ہو جا
 سراسر موم بن یا سنگ ہو جا

۳

حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تو نجاتِ اخروی کو عقائدِ اہلسنت اختیار کرنے پر موقوف بتاتے ہیں جیسا کہ اپنے مکتوبات میں انہوں نے جا بجا تصریح بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر انہوں نے اس امر کی یوں تلقین فرمائی ہے :-

زینہار کشفوفاتِ خیالی و ظہور صور مثالی	خیالی مکشوفات اور مثالی صورتوں کے دیکھنے
اعتقاداتِ مقررہ اہلسنت و جماعت را	کی بنا پر اہلسنت و جماعت کے مقررہ عقائد
شکر اللہ تعالیٰ سبحانہ از دست نہ بند و بخوابو	کو ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے۔ (اللہ تعالیٰ
خیالِ خود غرہ نشوند کہ نجات بے متابعت	بزرگانِ اہلسنت کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے)

اور اپنے خوابِ خیال پر نازاں نہ ہو کیوں کہ
اس فرقہ ناجیہ کی پیروی کے بغیر نجات کا سوال
ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نجات کے خواہشمند ہیں
تو خوش فہمی کو چھوڑ کر بزرگانِ اہلسنت و
جماعت کے اتباع میں کوشاں رہیں۔

اس فرقہ ناجیہ متصور نیست خوش طبعیہا
را موقوف داشته اگر آرزو ہائے نجات
دارند بجان و دل در اتباعِ این بزرگواراں
کوشند۔

۱۰

ملک صاحب! کیا آنجناب نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایسی تصریحات پر
عمل کرتے ہوئے اپنے اہلحدیث، دیوبندی، نیچری اور جماعتِ اسلامی والے رنگ بزنکے وہاہوں
کو فہمائش کی ہے کہ اے ہمارے دینی اور یقینی بھائیو! ہم سب کو حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی تعلیمات
پر عمل کرنا چاہیے۔ اگر نجات کی ضرورت ہے تو اہلسنت و جماعت کے جس ناجی گروہ، برحق
جماعت سے ہم یا ہمارے بڑے بڑے نکل کر بھاگے تھے اور اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ
مسجدِ حزار بنا کر، اپنی بے راہ روی پر پردہ ڈالنے کی غرض سے عوام الناس کی آنکھوں میں یوں
دھول جھونکتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں کی اصلی اور قدیمی جماعت کو بریلوی فرقہ اور اس کے
افراد کو مشرک اور بدعتی بتاتے رہتے ہیں۔ اب ہمیں ان نازیبا حرکتوں، البیلے کوتکوں سے
باز آجانا چاہیے۔ اپنے ناجی گروہ میں پھر شامل ہو جانا چاہیے۔ ناجی گروہ کی جمعیت کو منتشر
کرنے کے بجائے اسے مجتمع کرنے میں ہم سب کا فائدہ ہے۔ ورنہ عامِلۃٌ ناصِبۃٌ
تَصَلٰی نَارًا حَامِیۃً کے مصداق بننے سے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔

کیوں جناب ملک صاحب! کیا اہلسنت و جماعت سے بغاوت کر کے اپنی اپنی ڈفلی بجانے
اور اپنا اپنا راگ الاپنے والوں کی فہمائش میں آنجناب نے اپنی ضخیم کتاب کے اندر تعلیمات
مجددیہ کی روشنی میں ایک لفظ بھی لکھا ہے؟ کیا ملک صاحب ایسا ایک لفظ بھی نہ لکھنے کی
معقول وجہ ہمیں بھی سمجھائیں گے؟ — افسوس!

۱۰ دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں

دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں

۱۰ مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، حصہ ہفتم، مطبوعہ لاہور، ص ۹۲

۴

بھوٹ بولنا ہر عاقل کے نزدیک عیب اور نقص ہے۔ خدائے سبح و قدوس یقیناً ہر عیب اور نقص سے پاک اور منزہ ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی باری تعالیٰ سبحانہ کی تنزیہ و تقدس کے بارے میں واضح تصریحات فرمائی ہیں۔ چنانچہ ایک مکتوب گرامی میں آپ نے فرمایا ہے:-

اللہ تعالیٰ جل شانہ، کو نقص کی تمام صفات اور کمی کی تمام نشانیوں سے منزہ اور مبرا سمجھنا چاہیے۔	جناب قدس خداوند جلّ سلطانہ از جمیع صفات نقص و سمات تصور منزہ و مبرا باید دانست۔ لہ
---	--

دوسرے مقام پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دو بزرگ صاحبزادوں یعنی خازن الرحمت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۷۵ھ) اور عردۃ الوثقی خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۷۹ھ) کے نام مکتوب گرامی لکھتے ہوئے صفات باری تعالیٰ سبحانہ کے بارے میں یہ وضاحت فرمائی ہے:-

اللہ جلّ شانہ، کی صفات ہو کہ واجب ہیں ان میں امکان کے لفظ سے بچنا چاہیے کیونکہ اس سے صفات الہیہ کے حادث ہونے کا	در صفات واجبہ جلّ شانہ از اطلاق لفظ امکان تخیلی باید نمود کہ موہم حدوث است و صفات اللہ قدیم اند۔ لہ
---	---

دہم پیدا ہوتا ہے حالانکہ وہ قدیم ہیں۔

ایک اور مقام پر خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوب گرامی لکھتے ہوئے تلقین

فرماتے ہیں کہ:-

صفات باری تعالیٰ سبحانہ قدیم ہیں۔ ان پر	از اطلاق لفظ امکان در صفات قدیمہ تماشای لازم است کہ موہم حدوث است و
---	---

امکان کا اطلاق کرنے سے بچنا ضروری ہے

لہ مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، حصہ ہشتم، ص ۱۸۰

لہ مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، حصہ ہشتم، ص ۱۷۷

مناسب آنجا اطلاقِ وجوب است | کیونکہ اس سے حادث ہونے کا شبہ گزرتا ہے اور یہاں وجوب کا اطلاق ہی مناسب ہے

ملک صاحب! جب آپ تعلیماتِ مجددیہ پیش کرنے ہی نکلے تھے تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ان تصریحات کے پیش نظر ان لوگوں کو سمجھاتے جو امکانِ کذبِ باری تعالیٰ کا ناپاک اور خلافِ اسلام عقیدہ رکھتے ہیں اور مکتوبات کی روشنی میں انہیں یوں فہمائش کرتے کہ بھائیو!

اولاً۔ آپ اللہ تعالیٰ کے لئے کذب (جھوٹ) کا امکان بتاتے ہیں۔ حالانکہ جھوٹ تمام عقلاً کے نزدیک عیب ہے۔ تو جس کی صفت عیب اس کی ذاتِ عیبی اور عیبی خدا نہیں ہو سکتا۔ لہذا یہ عقیدہ رکھ کر آپ الوہیت کے منکر کیوں بنتے ہیں؟

ثانیاً۔ جھوٹ نقص ہے اور جب خدا کی صفات میں جھوٹ شامل ٹھہرا تو ذات ناقص ہوئی اور ناقص خدا نہیں ہو سکتا۔ بایں طور بھی یہ عقیدہ انکار الوہیت کا پیش خمیہ بنتا ہے۔

ثالثاً۔ آپ حضرات کذب کو اللہ تعالیٰ کے لئے ممکن بتاتے ہیں تو یہ اس کی صفت ہوئی۔ جب اس کی صفت ممکن تو ذات بھی ممکن ہوئی۔ لیکن ہر ممکن حادث ہوتا ہے اور حادث خدا نہیں ہو سکتا۔ لہذا یوں بھی اس عقیدے میں الوہیت کا انکار پنہاں ہے۔

رابعاً۔ جب آپ کے نزدیک کذب تحت قدرتِ الہیہ ہے تو یہ اس کی صفت ہوئی۔ دریں حالات ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے صدق کا امتناع لازم آئیگا کیونکہ اجتماعِ ضدین محال ہے۔ اس صورت میں کلامِ الہی اور شریعتِ مطہرہ کے سچا ہونے کی آپ حضرات کے نزدیک کیا صورت ہوگی؟ پھر کس منہ سے آپ سے **مَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا** اور **وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا** پڑھیں گے؟

ملک صاحب! آپ ان لوگوں کو تعلیماتِ مجددیہ کے تحت اسی طرح سمجھاتے نیز ان کی جو کتابیں امکانِ کذب کا سبق پڑھا رہی ہیں جیسے بیکروزی، براہین قاطعہ، تقدیس القدر

لے مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، حصہ نہم، ص ۳

قتاوی رشیدیہ، الجہد المقل، نصرت آسمانی، توضح البیان، معرکہ القلم، الشہاب الثاقب،
 سیف یمانی اور چراغِ سنت وغیرہ اُن کے مصنفین یعنی مولوی محمد اسماعیل دہلوی (المتوفی
 ۱۲۲۶ھ / ۱۸۳۱ء) مولوی رشید احمد گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) مولوی خلیل احمد
 انبھوی (المتوفی ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۲ء) مولوی محمود حسن چاند پوری (المتوفی ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء)
 مولوی عبدالشکور لکھنوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۷ء) مولوی مرتضیٰ حسن درہنگی (المتوفی
 ۱۳۴۱ھ / ۱۹۵۱ء) مولوی حسین احمد ٹانڈوی (المتوفی ۱۳۴۴ھ / ۱۹۵۴ء) مولوی
 محمد منظور نعمانی اور مولوی فردوس علی قصوری وغیرہ حضرات کی عقیدت کا دم بھرنے والوں
 کو سمجھاتے کہ اے مکذبین باری تعالیٰ! آپ یہ کیا بس بوریسے ہیں؟ کیوں اپنے ظاہری ایمان
 کی لٹیا مشرکین ہند کی گنگا میں ڈبو رہے ہیں؟ مسلمان بننا منظور ہے تو تعلیماتِ مجددیہ
 کی روشنی میں امکانِ کذب کے باطل عقیدے سے توبہ کر کے باری تعالیٰ ستوح و قدوس کیلئے
 صدق کو واجب اور کذب کو محال ماننے ورنہ دریں حالات تو آپ توحید کا خالی ڈھول پیٹتے
 ہوئے اپنے منکر الوہیت ہونے کا ثبوت ہی پیش کر رہے ہیں۔ اور بے شک انہیں
 یہ سنادیتے۔

من آنچه شرطِ بلاغِ ست با تومی گویم

تواز سخنم خواه پند گیر و خواه ملال

کیوں ملک صاحب! کیا آپ نے تعلیماتِ مجددیہ کے تحت مکذبین باری تعالیٰ
 کو ذرا بھی فہمائش کی؟ اگر ایک لفظ بھی نہیں کہا تو اتنا ہی بنا دیجئے کہ حق بات کہنے سے
 آپ کے قلم کو کس نے روکا؟ کیا یہ کوئی فردعی مسئلہ ہے؟ کیا خدا کو سچا یا جھوٹا ماننا ایسا
 ہی سہل معاملہ ہے جیسے کسی نے نماز میں اونچی آواز سے آمین کہہ لی اور دوسرے نے آہستہ۔
 آخر قیامت ضرور آئے گی۔ داورِ محشر کی بارگاہ میں پیش بھی ہونا پڑیگا۔ جب پروردگار پوچھے
 گا کہ تم تعلیماتِ مجددیہ بیان کرنے بیٹھے تو مجددِ اعظم کے ناجی گروہ پر تو برستے رہے لیکن تعلیماتِ
 مجددیہ کی مخالفت کرنے والوں کو کیوں نہ سمجھایا؟ ملک صاحب! ہ

جب سرِ محشر وہ پوچھے گا بلا کے سامنے
 کیا جوابِ جرم دو گے تم خدا کے سامنے

قارئین کرام! آپ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات شریف کی دو عبارتیں ابھی ملاحظہ فرمائی ہیں جن میں حضرت امام ربانی نے صفاتِ باری تعالیٰ سبحانہ کو واجب بتایا ہے۔ اہلسنت وجماعت کا ہمیشہ سے عقیدہ بھی یہی ہے۔ لیکن اس کے برعکس بانی وہابیت مولوی محمد اسمعیل دہلوی نے مسئلہ علمِ غیب کے تحت صفاتِ باری تعالیٰ کو تحتِ قدرت بتاتے ہوئے یوں لکھا ہے:-

”غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو، جب چاہے کر لیجئے، یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے، کسی نبی اور ولی کو، جن اور فرشتے کو، پیر اور شہید کو، امام اور امام زادہ کو، بھوت اور پری کو اللہ صاحب نے یہ طاقت نہیں بخشی۔“ لے

مذکورہ عبارت کے خط کشیدہ الفاظ خصوصاً قابلِ غور ہیں۔ موصوف نے اللہ تعالیٰ کی یہ شان بتائی ہے کہ غیب کا دریافت کر لینا اس کے اختیار میں ہے، جب چاہتا ہے دریافت کر لیتا ہے۔ اس سے یہی نتیجہ نوسا منے آتا ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ کو سنتِ تقویتِ الایمان واجب نہیں جانتے۔ اگر وہ بھی مسلمانوں کی طرح و جوب کے قائل ہوتے تو اللہ تعالیٰ پر دریافت کرنے کی تہمت کبھی نہ لگاتے۔

غلا دہ برس موصوف نے صفاتِ باری تعالیٰ کو تحتِ قدرت بتایا اور مشریت پر وقوف کیا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی بات کو دریافت کر لے اور نہ چاہے تو بے خبر ہی رہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔ حضرت مجدد الف ثانی اور دیگر اکابر اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی واضح تصریحات کے مطابق جو تحتِ قدرت ہو وہ حادث یعنی فانی ہے۔ اس طرح امام الوہابیہ کی تصریح کے مطابق صفاتِ الہیہ کا فانی ہونا لازم آیا اور جس کی صفات فانی ہوں وہ خود

لے تقویتۃ الایمان، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، برسوم، ۱۹۷۱ء، ص ۵۳، ۵۴۔

بھی فانی ہوتا ہے اور جو فانی ہو وہ ہرگز خدا نہیں ہو سکتا۔ یوں امرکان کذب کی طرح یہ عقیدہ بھی الکار الوہیت کا پیش خیمہ ہے۔ دوسرے مقام پر یہی توحید کے ڈھنڈورچی صاحب شرک کی تعریف میں دھاندلی کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

” اللہ کا سا علم اور کو ثابت کرنا، سو اس عقیدے سے آدمی مشرک ہو جاتا ہے، خواہ یہ عقیدہ انبیاء و اولیاء سے رکھے، خواہ پیر اور شہید سے، خواہ امام اور امام زادے سے، خواہ بھوت اور پری سے، پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے خواہ اللہ کے دینے سے، غرض اس عقیدے سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔“

کسی کو اپنی ذات سے علم مانا جائے یا اللہ کے دینے سے موصوفتے ان دونوں قسم کے علوم (ذاتی و عطائی) کو اللہ کا سا علم اور شرک بتایا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کا علم بھی کیا موصوف کے نزدیک کسی کا عطا کیا ہوا ہے؟ درنہ جب کسی ہستی کے لیے اللہ تعالیٰ کی عطا سے علم مانا تو قطع نظر اس کے کہ وہ ثابت ہے یا نہیں، لیکن شرک کیسے ہو گیا؟ — اسی اپنے عقیدے کو موصوف نے تصرف کے تحت یوں دہرایا ہے:

” اللہ کا سا تصرف ثابت کرنا محض شرک ہے۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے، خواہ وہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی طاقت بخشی ہے، ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔“

مک صاحب آپ کو چاہیے تھا کہ تعلیماتِ خبیثہ دیر میں اس موضوع پر بھی لکھتے اور حضرت خبیبہ الف ثانی قدس سرف نے جن عبارتوں میں صفاتِ باری تعالیٰ کے واجب ہونے کی تصریح فرمائی ہے انہیں پیش کر کے محبہ و صاحب کی مخالفت

۱۔ تقویۃ الایمان، مطبوعہ اشرف پریس لاہور۔ بار سوم، ۱۹۷۱ء، ص ۵۳، ۵۴

۲۔ ایضاً ص ۳۶

تِ الْهَيْبَةِ كَوْتَحْتِ قَدْرَتِ اَدْرِ عَطَائِي مَهْرَانِي دَالِي مَوْلُوِي مُحَمَّدِ اَسْمَاعِيلِ
 مِي تَعْلِيْمَاتِ سَيِّدِي سِي بَحْنِي كِي تَلْقِيْنِ فَرْمَاتِي۔ مَعْلُومِ نَهِيْنِ كَسِ مَصْلَحَتِ نِي
 اَپِي سَمِ پَرِ پَرِ بَهْرِي بَهْرِي اِي كِه اَسِ بَارِي مِي اَپِ اِي كِه لَفْظِ بَهِي لَكْھِي كِي جِرَاتِ نِي
 كَرِي كِه حَالَانِكِه مَوْجُودِه اِلَهِي سُنَّتِ دِ جَمَاعَتِ اَدْرِ اِنِ كِه اَكَا بَرِ پَرِ اَپِ خُوبِ بَرِ سُنَّتِي
 رَهِي هِي۔

نَحِيَالِ خَا طَرِ اَحْبَابِ چَا پِيئِي هَرِ دَمِ
 اَنِي سِ تَهِي سِ نِي لَكِ جَا ئِي اَبْگِي نِيُوں كُو !

۶

حضرت امام ربّانی، مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوباتِ عالیہ میں ذاتِ
 صفاتِ باری تعالیٰ سبحانہ کے بارے میں یہ وضاحت بھی فرمائی ہے :-

اُو تَعَالٰی اَز صَفَاتِ وِلْوَا زِمِ جُو اِهْرُو	اللّٰهُ تَعَالٰی جُو هَرِ دِ جِسْمِ وِ عَرْضِ كِي
اَجْسَامِ وَا عِرَاضِ مَنزَرِه اَسْتِ زَمَانِ وِ	صَفَاتِ سَيِّدِي مَنزَرِه هِي۔ زَمَانِ وِ
مَكَانِ وِ جِهْتِ رَا دُو حَضْرَتِ	مَكَانِ وِ جِهْتِ كِي لِيئِي اُسِ تَنَكِ
اُو تَعَالٰی كُنْجَا شِ نَبِيْتِ۔ اِيْنَا هِمِه	رِسَالِي كِي كُنْجَا شِ كِهَاں ؟ يِه سَبِ
مَخْلُوقِ اُو يَنْدِ۔ بِي خَبَرِ بَاشْدِكِه	اُسِ كِي مَخْلُوقِ هِيں۔ بِي خَبَرِ هُو كَا
اُو رَا سَجَانُ فَوْقِ الْعَرْشِ خَوَانْدُو	جُو اُسِي عَرْشِ كِي اُو پَرِ بَتَا ئِي
جِهْتِ فَوْقِ اَنْبَاتِ كُنْدِ عَرْشِ	اَدْرِ جِهْتِ فَوْقِ كَا اَنْبَاتِ كَرِي۔
مَا سِوَا ئِي اَلِ هِمِه حَادِثِ اِنْدِ مَخْلُوقِ	عَرْشِ اَدْرِ اَسِ كِي مَا سِوَا سَبِ حَادِثِ
اُو يَنْدِ تَعَالٰی۔ مَخْلُوقِ وِ حَادِثِ رَا چِه	اَدْرِ اَسِ كِي مَخْلُوقِ هِيں۔ مَخْلُوقِ اَدْرِ
مَجَالِ كِه مَكَانِ خَالِقِ قَدِيْمِ كَرِ دُو	حَادِثِ كِي كِيَا مَجَالِ كِه خَالِقِ قَدِيْمِ كَا
مَقَرِّ اَدِ شُورِ۔ لِه	مَكَانِ اَدْرِ ذَاتِ بَارِي تَعَالٰی كِي
	قَرَارِ گَاهِ بِنِ سَكِيں۔

خانِ جہاں کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں اہلسنت وجماعت کے عقیدے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے:-

اُو تَعَالَى جِسْمٍ دِجْسَمَانِي نَيْسَتْ ،
 طَوِيلٍ وَعَرِيضٍ نَيْسَتْ ، دِرَازٍ وَ
 كُوتَاہِ نَيْسَتْ ، پَهْنِ وَتَنگِ
 نَيْسَتْ ، بَلَكَمَ وَاسِعِ اسْتِ نَبَاں
 وَسَعَتْ كَمَا لِفَهْمِ مَا دَرِ آيِدِ - مَحِيْطِ
 اسْتِ نَبَاں اِعَاطَه كَمَا مَدْرَكِ
 مَا شُوْدِ - قَرِيْبِ اسْتِ نَبَاں
 قَرَبِ كَمَا مَتَنَقَّلِ مَا كَرْدِ دُو بَا مَاسْتِ
 نَهْ بِمَعِيَّتِ مَتَعَارَفِه - اِيْمَانِ آرِيْمِ كَمَا
 وَاسِعِ اسْتِ وَ مَحِيْطِ اسْتِ وَ
 قَرِيْبِ اسْتِ وَ بَا مَاسْتِ اَمَّا
 كَيْفِيَّتِ اِيْنِ صِفَاتِ رَا نِدَا نِيْمِ كَمَا
 چِيْسْتِ وَ مَرْچِه دَا نِيْمِ كَمَا قَدَمِ
 دَر مَذْهَبِ مَجْتَمَعِ دَارِ دَر - سَلَهْ

اللہ تعالیٰ نہ جسم و جسمانی ہے، نہ
 جو سر و عرض ہے، نہ محدود و
 متناہی ہے، نہ طویل و عریض ہے،
 نہ دراز و کوتاہ ہے، نہ وسیع اور
 تنگ ہے، بلکہ وہ واسع است و
 لیکن ایسی وسعت کے ساتھ نہیں
 جو ہماری سمجھ میں آسکے، وہ محیط
 ہے لیکن ایسے احاطے کے ساتھ
 نہیں جس کا ہم ادراک کر سکیں۔ وہ
 قریب ہے لیکن ایسے قرب کے
 ساتھ نہیں جو ہماری عقل میں آئے
 وہ ہمارے ساتھ ہے لیکن ہماری
 جانی ہوئی معیت کے ساتھ نہیں۔
 ہم ایمان رکھتے ہیں کہ وہ واسع، محیط،
 قریب اور ہمارے ساتھ ہے لیکن
 ان صفات کی کیفیت کو نہیں جانتے
 کہ کیا ہے اور جو ہم جانتے ہیں،
 وہ مجسمہ کے مذہب میں قدم رکھنا ہے

۱۔ مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، حصہ ہفتم، ص ۲۶، ۲۷

اسی مکتوب گرامی کے اندر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے رویتِ باری تعالیٰ کے متعلق اسلامی عقیدہ بیان کیا اور منکرین کی حالت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے :-

دیدن مومناں مر حضرت حق سبحانہ
در بہشت بے جہت و بے مقابلہ
بے کیف و بے احاطہ حق است۔
ایمان آریم بایں رویتِ اُخروی بہ
کیفیت آن مشغول نشویم۔ پیرا
کہ رویتِ او تعالیٰ بے چون است
درین نشاۃ حقیقت آن برابر
چون ظاہر نشود و غیر از ایمان
نصیب ایناں نمود۔ وائے
بر فلاسفہ و معتزلہ و سائر فرق
مبتدعہ کہ از حرمانِ دکوری انکار
رویتِ اُخروی نمائند و قیاس
غائب بر شاہد کنند و بدولتِ
ایمان آن ہم مشرف نہ گردند۔
اہل ایمان کا اللہ تعالیٰ کو بہشت
میں بے جہت، بے مقابلہ، بے کیف
اور بے احاطہ کے دیکھنا برحق ہے
ہم اس اُخروی رویت پر ایمان
رکھتے ہیں اور اس کی کیفیت کے
پیچھے نہیں پڑتے۔ رویتِ باری
تعالیٰ کا عقیدہ شک و شبہ
سے بالاتر ہے۔ اس جہانِ فانی
دالوں پر اس کی حقیقت ظاہر
نہیں فرمائی گئی اور ایمان کے بغیر
ان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا بھی
نہیں۔ فلاسفہ، معتزلہ اور سائر
جدید فرقوں پر افسوس ہے کہ
حرمانِ نصیبی اور کورِ چشمی سے اُخروی
رویت کا انکار کر دیتے ہیں اور غائب
کو موجود پر قیاس کر کے ایمان کی
دولت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ان واضح تصریحات اور اہلسنت و جماعت

سے مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، حصہ ہفتم، ص ۲۶/۲۷

کے اجتماعی عقیدے کے خلاف متحدہ ہندوستان میں سب سے پہلے امام ابوہامیہ مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے آواز بلند کی۔ چنانچہ موصوف نے اس سلسلے میں اپنے خاندان اور اپنی سابقہ جماعت کے خلاف یہ عقیدہ ظاہر کیا :

باید دانست کہ مسئلہ وحدت وجود و	جاننا چاہیے کہ وحدت وجود و
شہود و بحثِ تنزلاتِ خمسہ و صادر	شہود کا مسئلہ اور تنزلاتِ خمسہ
اول و تجدد و امثال و کون و بروز	کا ذکر اور صادر اول کا نیز تجدد
و امثال آں از مباحثِ تصوف	امثال اور کون و بروز اور اسی
پہچنین مسئلہ تجرد و واجب و	کے مانند تصوف کی بحثیں اور اسی
بساطتِ اوتعالیٰ بحسبِ ذہن	طرح اللہ تعالیٰ کے مجرد، واجب
یعنی از زمان و مکان و جہت و	اور بسیط ہونے کو اپنے ذہن کے
ماہیت و ترکیبِ عقلی و مبحث	موافق سمجھنا یعنی باہر سمجھنا اللہ تعالیٰ
عینیہ و زیادتِ صفات و تاویل	کو زمان و مکان اور جہت و ماہیت و
مشابہات و اثباتِ رویت	ترکیبِ عقلی سے اور اس کی
بلا جہت و محازات	صفات کے عین ہونے یا ذات پر
. . . ہمہ از قبیل بدعاتِ حقیقیہ	زائد ہونے کی بحثیں نیز تشابہات
است۔ اگر صاحبِ آں اعتقاد است	کی تاویل اور بلا جہت و محازات
ندکورہ را از جنس عقائدِ دینیہ	کے رویت یہ سب حقیقی
می شمارد۔ لے	بدعتوں کی قسم سے ہیں جبکہ ندکورہ
	بالا عقیدوں کا رکھنے والا انہیں دینی
	عقائد شمار کرتا ہو۔

ملک صاحب! تعلیماتِ مجددیہ کے صفحہ ۸۸ پر آپ نے بھی مجدد صاحب کے

نظر یہ وحدت الشہود پر نہ صرف بحث کی بلکہ اس کی تحسین فرمائی ہے۔ لیکن آنجناب کے امام الطائفہ تو اسے بھی بدعت حقیقیہ بتا رہے ہیں۔ کیا ان کا ایٹمی حکم آپ پر لاگو ہو جائے گا یا نہیں؟ نیز جب آپ تعلیماتِ مجددیہ کا درس دینے نکل ہی کھڑے ہوئے تو کلیجے پر چھڑکھڑک کر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے عقائد و نظریات کو بدعت حقیقیہ قرار دینے والوں کی نشان دہی تو فرما دیتے اور اپنے دینی بھائیوں کو سمجھاتے کہ دوستو! قاضی ابویعلیٰ (المتوفی ۴۵۷ھ)، علامہ ابن حزم اندلسی (المتوفی ۴۵۷ھ)، علامہ ابن تیمیہ حرانی (المتوفی ۷۲۸ھ)، علامہ ابن قیم (المتوفی ۷۵۱ھ)، محمد بن عبد الوہاب نجدی (المتوفی ۱۲۰۶ھ) اور مولوی اسمعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۲۶ھ) کے نظریات سے دور رہنا کیونکہ یہ حضرات اہلسنت و جماعت کے عقائد و نظریات کو چھوڑ کر، تعلیماتِ مجددیہ سے منہ موڑ کر خوارج، مجسمہ اور معتزلہ کے ہمنوا بن گئے تھے۔ اسی لیے یہ باری تعالیٰ سبحانہ کے لیے تجسیم و تشبیہ اور زمان و مکان و جہت کے قائل و مبلغ ہو گئے تھے۔ اور رویتِ باری تعالیٰ کا انکار کر کے تعلیماتِ مجددیہ کے تحت "بدولتِ ایمان آل ہم مشرف نہ گردند" کے مصداق ہو گئے تھے۔ پس آپ حضرات کو چاہیے کہ ان علماء کی موافقت و عقیدت سے کنار کش ہو کر، ان کے بتائے ہوئے مسائلِ الہیات سے توبہ کر کے اہلسنت و جماعت کے عقائد کو اپنا یا جائے کیونکہ ہم سب کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ڈنکے کی چوٹ بتا دیا ہے کہ :

بمقتضائے آرائے صائبہ اہلسنت و	ناجی گروہ اہلسنت و جماعت کے
جماعت کہ فرقہ ناجیہ اندر نجات	صائب عقیدوں کے مطابق اپنے
بے اتباعِ این بزرگواراں متصور	عقائد رکھنے چاہئیں۔ بزرگان
نیست و اگر سر مو مخالفت	اہلسنت کی پیروی کے بغیر نجات
است و خطر در خطر است این	کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر ان کے
سخن بکشف صحیح و الہام صریح	عقائد سے بال برابر بھی اختلاف

نیز بریقین پیوستہ است احتمال
تخلف ندارد۔
رکھا تو خطرہ ہی خطرہ ہے۔ یہ بات
صحیح کشف اور صریح الہام سے
یقین کی حد تک پہنچا ہے اور اس کے
خلاف واقع ہونے کا احتمال نہیں ہے

کیوں ملک صاحب! اکابر اہلسنت اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
کے بتائے ہوئے عقیدوں کی مخالفت کرنے والوں کو تعلیماتِ مجددیہ پیش کرتے وقت
سمجھانا چاہیے تھا یا نہیں؟

مالو نہ مالو جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

۷

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کو گمراہوں اور گمراہ گروں کے
شر سے محفوظ رکھنے کی خاطر صاف صاف بتا دیا کہ اکابر اہلسنت نے کتاب و
سنت کے جو مفہوم و معانی بتائے وہی قابلِ اعتماد ہیں اور دوسرے لوگوں نے اس
سلسلے میں جو بھی کہا ہے وہ قطعاً ناقابلِ یقین ہے۔ مسلمانوں کی نیر خواہی کے اس
حق کو آپ نے ان لفظوں میں ادا کیا ہے:

از علومیکہ کہ از کتاب و سنت
مستفاد اند جہاں معتبر اند کہ اس
بزرگواراں از کتاب و سنت
اخذ کردہ اند و ہمیدہ زیرا کہ ہر
مبتدع و ضال عقائد فاسدہ
جو علوم و مطالب کتاب و سنت
سے مستفاد ہیں، ان میں سے وہی
باتیں معتبر ہیں جو علمائے اہلسنت
نے کتاب و سنت سے اخذ کیں
اور سمجھی ہیں۔ ورنہ یوں تو ہر مخالف

۱۰ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول حصہ دوم، ص ۳۸

خود را از کتاب و سنت اخذ
 میکنید۔ پس ہر معنی از معانی
 مفہومہ از یہنا معتبر نباشد
 اہلسنت اور گمراہ اپنے عقائدِ فاسدہ
 کو قرآن و حدیث ہی سے اخذ
 کرتا ہے لیکن ان کے سمجھے ہوئے
 مفہوم و مطالب ناقابلِ اعتبار ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے گمراہ گری کے سیلاب کی روک تھام کے لیے
 جو بند باندھا تھا، اسے توڑنے، مسلمانوں کو زمرہ اہلسنت و جماعت سے نکالنے
 اور فرقہ سازی کی مہم کو نینز تر کرنے کی خاطر تیرہویں صدی میں مسلمانوں کو پہلی دفعہ یہ پیٹی
 پڑھانے کی کوشش کی گئی تھی:

”اس زمانے میں دین کی باتوں میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں۔ کوئی پہلوں
 کی رسموں کو سند پکڑتے ہیں، کوئی مولویوں کی باتوں کو، جو انہوں نے
 اپنے ذہن کی تیزی سے نکالی ہیں سند پکڑتے ہیں اور کوئی اپنی عقل
 کو دخل دیتے ہیں۔ ان سب سے بہتر راہ یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے
 کلام کو اصل رکھیے، اس کی سند پکڑیے۔ اپنی عقل کو کچھ دخل نہ دیکھے
 جو قصہ بزرگوں کا یا کلام مولویوں کا اس کے موافق نہ قبول کیجئے۔“

مولوی محمد اسمعیل دہلوی چونکہ مسلمانوں کے ناجی گروہ اہلسنت و جماعت سے
 بغاوت کر کے اپنا محمدی گروہ علیحدہ بنا چکے تھے، لہذا بھولے بھالے مسلمانوں کو اپنی
 جماعت میں ملانے کی خاطر انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ لوگوں کا اکابر اہلسنت پر
 جو اعتماد ہے وہ اٹھا جائے، عوام کا علمائے کرام سے رشتہ منقطع کیا جائے۔ اسی
 لیے موصوف نے اکابر اہلسنت کے کتاب و سنت سے سمجھے ہوئے مفہوم و
 مطالب کو ناقابلِ یقین باور کروانے کی غرض سے عام مسلمانوں کو تلقین کی کہ یہ ذہن

۱۔ مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، حصہ دوم، ص ۹۴

۲۔ تقویۃ الایمان، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ص ۲۵، ۲۶۔

کی تیزی سے نکالی ہوئی باتیں، بزرگوں اور مولویوں کے قہقہے اور اٹکوں کی رسمیں ہیں۔
 لہذا انہیں چھوڑ کر قرآن و حدیث سے خود مسائل اخذ کیجئے۔ اپنی اندھی تحقیق کے سوا اور
 کسی بڑے سے بڑے عوام کی تحقیق پر بھی یقین نہ کیجئے۔ ان حالات میں خدشہ
 تھا کہ شاید کوئی یہ پوچھ بیٹھے کہ مولوی صاحب! کہاں زید و عمر اور کہاں اللہ و رسول
 کے کلام کا سمجھنا! یہ کیا ضبط بے ربط ہے؟ چنانچہ اس خطرے کی پیش بندی کرتے
 ہوئے موصوف نے عوام الناس کو یوں کلور و فارم سنگھانا شروع کر دیا تھا۔
 ”یہ جو عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ اور رسول کا کلام سمجھنا بہت
 مشکل ہے، اس کو بڑا علم چاہیے، ہم کو وہ طاقت کہاں کہ ان کا کلام
 سمجھیں..... بلکہ ہم کو یہی باتیں کفایت کرتی ہیں جن پر چلے جاتے
 ہیں، سو یہ بات بہت غلط ہے۔ اس واسطے کہ اللہ صاحب نے فرمایا
 ہے کہ قرآن مجید میں باتیں بہت صاف اور صریح ہیں، ان کا سمجھنا
 مشکل نہیں“ ۱

اسی سلسلے میں موصوف نے سورہ حمد کی آیت لَهُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ
 ... پیش کر کے یہ بھی لکھا ہے :

”سو جو کوئی یہ آیت سن کر پھر یوں کہنے لگے کہ پیغمبر کی بات سوائے
 عالموں کے کوئی نہیں سمجھ سکتا..... اُس نے اس آیت کا انکار کیا۔“
 موصوف نے عوام الناس کو مسلمانوں کے ناجی گروہ اہل سنت و جماعت سے
 نکلنے، اکابر اہلسنت سے بدظن کرنے، تعلیماتِ مجددیہ کو پس پشت ڈالنے اور
 خود اپنے فاندانی بزرگوں، اپنے ہی ابا و اجداد یعنی شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی،
 (المتوفی ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۸ء)، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (المتوفی ۱۱۶۱ھ /
 ۱۷۶۲ء)، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء) اور

۱۔ تقویۃ الایمان، مطبوعہ انٹرنیشنل پریس لاہور، ص ۲۶

۲۔ ایضاً ۲۰۰

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء) اور شاہ رفیع الدین محدث
دہلوی (المتوفی ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۶ء) رحمۃ اللہ علیہم کے راستے سے منحرف کرنے کی
خاطریہ تلقین بھی کی ہے :

.. ہر خاص و عام کو چاہیے کہ اللہ اور رسول ہی کے کلام کو تحقیق کریں۔
اُسی کو سمجھیں، اُسی پر چلیں اور اُسی کے موافق اپنے ایمان کو ٹھیک
کریں ۔۔۔

ملک صاحب! چاہیے تو یہ تھا کہ آپ تعلیماتِ مجددیہ میں مولوی محمد اسمعیل دہلوی
کے متبعین کو سمجھاتے کہ مسلمانوں کے ناجی گروہ اہلسنت وجماعت سے باغی ہو کر
اُمتِ مجددیہ کے شیرازے کو منتشر کرنا، اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانا اور اپنی اپنی
ڈفلی بجانا کہاں کی عقلمندی ہے۔ نیز یہ بھی تلقین فرماتے کہ دوستو! اکابرِ اُمت،
ملتِ اسلامیہ کے مایہ ناز فرزندوں اور کتاب و سنت کے غواصوں کے بتائے
ہوئے مفہوم و مطالب کو ناقابلِ اعتبار شمار کر کے قرآن و حدیث کے معانی کی خود تلقین
کرنا یعنی جو اپنی کھوپڑی میں مطلب سمائے اُسے قابلِ یقین، لائقِ اعتماد اور حرفِ آخر
قرار دینا کہاں کی عقلمندی ہے؟ گویا اندھوں کو چاہیے کہ آنکھ والوں پر اعتماد نہ
کریں۔ کوچوان بھی تاج محل بنا دینے کا دم بھریں اور گوالے بھی ہوائی جہاز
اُڑانے کے دعوے کریں۔ کتنا ہی مشکل کام کیوں نہ ہو کوئی کسی پر اعتماد نہ کرے، ہر
جگہ اپنی ٹانگ اڑائے، ہر علم و فن میں اپنی ہی مہارت کے گہیت گائے اور اپنے
سوا کسی کو بھی خطرے میں نہ لائے یہ سچا یا جاتا۔

دہلوی صاحب نے بے راہ روی کا جو درس دیا تھا، اُس کا نتیجہ یہی تو نکلتا جو
ڈیڑھ سو سال سے دیکھنے میں آ رہا ہے کہ فرقہ سازی، بے دینی، گمراہی اور اختلافات
کا سیلاب اُٹھ کر آیا ہے۔ ملک صاحب کو چاہیے تھا کہ دہلوی صاحب کے

ساختہ محققین کو سمجھاتے کہ اب تو کافی فرقے بنا لیے، مسلمان خوب آپس میں لڑا لیے اور باہمی سر پھٹول کے دل کھول کر تماشے دکھالے، خدا را یہ سلسلہ ستم ظریفی، یہ طوفان بد تمیزی اب تو ختم ہو جانا چاہیے۔ افسوس! ملک صاحب نے ایسی اپیل کی ضرورت ہی محسوس نہ فرمائی :

نگاہِ غور سے دیکھو تو عقدہ صاف کھل جائے
دنا کے بھیس میں بیٹھا ہے کوئی بے دنا ہو کر



حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کے بارے میں یہ وضاحت بھی فرمائی ہے :

ایمان تصدیق قلبی ست و اقرار	ایمان دل سے تصدیق کرنے اور
لسانی ... اعمالِ جوارح از	زبان کے ساتھ اقرار کرنے کا نام
نفسِ ایمان خارج اندک	ہے ... اعمالِ جوارح نفس
	ایمان سے خارج ہیں۔

دوسرے مقام پر آپ نے ترکیب کباثر کے بارے میں اہلسنت و جماعت کا عقیدہ یوں بیان کیا ہے :

مومن بارتکابِ کبیرہ از ایمان	مومن کبیرہ گناہ کے ارتکاب کے
منے برآید و بہ کفر منے درآید	باعث ایمان سے خارج نہیں ہوتا
	اور کفر میں داخل نہیں ہوتا۔

لیکن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز اور اکابر اہلسنت کی واضح

۱۔ مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، حصہ ہفتم، مطبوعہ لاہور، ص ۵۱

۲۔ ایضاً: ص ۵۲

تصریحات کے خلاف مصنف تقویۃ الایمان نے اعمال کو ایمان میں داخل کیا ہے۔ چنانچہ موصوف کی وہ البیلی چال جس نے ڈھول رکھانہ کھال، یہ ہے :

”سننا چاہیے کہ ایمان کے دو جزو ہیں، خدا کو خدا جاننا اور رسول کو رسول۔ خدا کو خدا سمجھنا اس طرح ہوتا ہے کہ اُس کا شریک کسی کو نہ سمجھے اور رسول کو رسول سمجھنا اس طرح ہوتا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی راہ نہ پکڑے۔ اس پہلی بات کو توحید کہتے ہیں اور اس کے خلاف کو شرک۔ دوسری بات کو اتباع سنت کہتے ہیں اور اس کے خلاف کو بدعت۔ سو ہر کسی کو چاہیے کہ توحید اور اتباع سنت کو خوب پکڑے اور شرک و بدعت سے بچے کہ یہ دو چیزیں اصل ایمان میں خلل ڈالتی ہیں۔“

ملک صاحب! آپ حضرات کے امام علی الاطلاق، مولوی محمد اسمعیل صاحب دہلوی تو معتزلہ سے بھی چار قدم آگے نکل گئے کہ اتباع سنت کو جزو ایمان بنا رہے ہیں اور خلاف سنت واقع ہونے سے اصل ایمان میں خلل ٹھہرا رہے ہیں۔ تعلیماتِ مجددیہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی واضح تصریحات کے تحت اس معتزالہ پسندی کے بارے میں کچھ تو ارشاد فرمانا چاہیے تھا معلوم نہیں آپ کی پراسرار خاموشی میں کیا راز پنہاں ہے :

وائے ناکامی زاہد کہ جبیں پہ اُس کی
داغِ سجدہ تو بنا داغِ محبت نہ بنا

۹

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ نور الحق رحمۃ اللہ علیہ (المنزنی ۱۰۷۱ھ)

بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) کے نام مکتوب
گرا می لکھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخلیق کے بارے میں یہ وضاحت
بھی فرمائی تھی :

باید دانست کہ خلقِ محمدی
در زک خلق سائر افرادِ انسانی
نیست بکہ بخلق بیچ فردے از
افرادِ عالم مناسبت ندارد کہ
او صلی اللہ علیہ وسلم با وجود نشاء
عنصری از نور حق جل و علی مخلوق
گشته است کما قال علیہ و علی آلہ
الصلوٰۃ والسلام خلقت من
نور اللہ و دیگران را این
دولت میسر نشده است لہ

بانا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کی پیدائش دوسرے
انسانوں کی پیدائش کی طرح نہیں
ہے بکہ مخلوق میں سے کوئی ایک
فرد بھی تخلیق میں آپ سے مناسبت
نہیں رکھتا کیونکہ مخرد و عالم
صلی اللہ علیہ وسلم جسمِ عنصری
رکھنے کے باوجود اللہ کے نور
سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ سرور
کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم نے خود فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ
نے اپنے نور سے پیدا فرمایا ہے۔
دوسروں کو یہ سعادت میسر نہیں۔

ملک صاحب! یہ تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ تخلیقِ محمدی کے بارے میں حضرت
مجددِ اعظم علیہ الرحمۃ نے کیا فرمایا ہے، مسلمانوں کا عقیدہ کیا ظاہر کیا ہے۔ اب
تعلیماتِ مجددیہ کی مخالفت اور رسولِ شمنی کا المناک نظارہ بھی کر لیجئے۔ چنانچہ
دلہ بیہ کے امام علی الاطلاق نے مسلمانوں کو بارگاہِ رسالت کا گستاخ بنانے کی
خاطر یہ تعلیم دی ہے :

۱۔ مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، حصہ ہفتم، ص ۹۱

” انسان آپس میں سب بھائی ہیں۔ جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے
 سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے۔۔۔۔۔ جتنے اللہ کے مقرب بندے
 ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی۔ مگر
 اللہ نے ان کو بڑائی دی، وہ بڑے بھائی ہوتے۔ ہم کو ان کی فرمانبرداری
 کا حکم کیا، ہم ان کے چھوٹے ہیں۔“ ۱

تعلیماتِ مجددیہ اور اکابر اہل سنت کی مخالفت اور اپنے امام الطائفی کی
 تائید کرتے ہوئے، راہِ ادب و احترام کو چھوڑتے ہوئے مولوی رشید احمد گنگوہی
 (المتوفی ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مذکورہ گستاخانہ
 نظریہ کی یوں توثیق کی ہے :

” نفسِ بشر ہونے میں مساوات ہے، اگرچہ آپ (نبی کریم صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم) کی بشریت ازکی و الطیب ہے، اور بڑا بھائی کہنا
 بھی اس نفسِ بشریت کی وجہ سے ہے نہ کہ بشریت کی افضلیت ایسی
 ہے۔ چونکہ حدیث میں آپ نے خود ارشاد فرمایا تھا کہ مجھ کو بھائی
 کہو بائیں رعایتِ تقویتِ الایمان میں اس لفظ کو لکھا ہے نہ بائیں
 وجہ کہ آپ کی بشریت کا فضل بڑے بھائی کی فضل کی قدر ہے۔
 اس کلمہ پر نا فہموں نے غل مچا دیا ورنہ بعد حق تعالیٰ کے فخرِ عالم کو
 افضل و اکمل وہ خود لکھتے ہیں۔ فقط رشید احمد عفی عنہ“ ۲

مولانا عبد السمیع رامپوری رحمۃ اللہ علیہ جو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ
 (المتوفی ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۹ء) کے نامور مرید اور پایہ حرمین مولانا رحمۃ اللہ
 کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء) کے شاگرد ارشد تھے،

۱۔ تقویۃ الایمان، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ص ۱۱۱

۲۔ فتاویٰ رشیدیہ، مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی، ص ۸۵

انہوں نے دہلوی دنگوہی صاحبان کے اس نظریہ پر احتجاج کرتے ہوئے انوارِ ساطعہ میں لکھا تھا :

” پھر اس زمانے میں ایک ادنیٰ سا آدمی ہے وہ کہہ رہا ہے رسول اللہ میرے بھائی ہیں۔ واضح ہو کہ بھائی جس قدر ہوتے ہیں سب اپنے باپ کے کل ترکہ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس لفظ میں ایامِ دعویٰ برابری حضرت نوح الانبیاء کے ساتھ ہے معاذ اللہ منہا“

مولانا عبد السمیع بیدل راپوری (المتوفی ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء) رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنے پیر بھائیوں کو یوں سمجھایا، انہیں ادب و احترام کا ایمانی راستہ سمجھایا تو دینِ متین کو حکومت کے اشاروں پر بازیچہ اطفال بنانے والوں، وظیفے کھا کر برٹش گورنمنٹ سے پاری نبھانے والوں اور مقدس شجرِ اسلام میں غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں لگانے والوں کا سارا طائفہ بھٹا اٹھا۔ کیونکہ راہِ ہدایت پر آنے کا راستہ خود بند کر چکے تھے۔ حکومتِ وقت کے ہاتھوں میں چوں نلکم در دستِ کاتب بن چکے تھے۔ لہذا گنگوہی صاحب کے شاگرد مولوی خلیل احمد صاحب (المتوفی ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء) نے اپنے بڑوں کی حمایت میں مذکورہ فہمائش کا شکریہ ان لفظوں میں ادا کیا :

” لاریب اخوت بشریت ہیں اور اولادِ آدم ہونے میں ہے۔ اس میں مساوات بنصِ مسترآن ثابت ہے اور کمالاتِ تقرب میں نہ کوئی بھائی کمے اور نہ مثل جانے۔ سو یہ طعن بالکل سفسطہ ہے خلافِ فہم و عقل کے، تاہل درکار ہے“

اسی عبارت سے چند سطر پہلے موصوف نے اس سلسلے میں یہ وضاحت بھی

۱۔ انوارِ ساطعہ علی براہین قاطعہ، مطبوعہ دیوبند، ص ۷

۲۔ براہین قاطعہ، مطبوعہ نیشنل پرنٹنگ پریس، دیوبند، ص ۷

” نفس بشریت میں مماثل آپ کے جملہ بنی آدم ہیں کہ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (ترجمہ: کہہ دیجئے کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہوں) اور بعد اس کے یوحیٰ الٰہی کی قید سے پھر وہی شرف تقرب کو بعد اثباتِ مماثلتِ بشریت کے ثابت فرمادیا پس اگر کسی نے بوجہ آدم ہونے کے آپ کو بھائی کہا تو کیا خلاف نص کے کہہ دیا، وہ تو خود نص کے موافق ہی کہتا ہے اور فخر عالم نے بھی فرمایا: وَدِدْتُ اِلٰی قَدْرُ اٰیَاتِ اٰخُوٰاِ الْحَدِیْثِ (ترجمہ: مجھے پسند ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھوں)۔ پس اخوت بوجہ اولادِ آدم ہونے کے کہا اور یہی وجہ قائل کی ہے، موافق قرآن و حدیث کے ہے، اس پر طعن کرنا قرآن و حدیث پر طعن ہے اور اس کے خلاف کہنا نص کی مخالفت ہے۔ لہذا چونکہ جس نے آپ کو اخ کہا ہے بوجہ اولادِ آدم ہونے کے کہا ہے اور تقرب کی مماثلت کا وہ ہرگز قائل نہیں تو اس پر طعن سوائے مخالفتِ نصوص کے اور کیا ہووے گا؟ اے

سے کرم کوشیاں ہیں، ستم کاریاں ہیں

بس اک دل کی خاطر یہ تیاریاں ہیں

کہوں ملک صاحب! چودہ طبق روشن ہو گئے یا نہیں؟ دیکھی اکا بردیو بند کی دین داری کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کو الٹی چھٹری سے ذبح کریں یا سیدھی سے، ہر طرح ان کے لیے حلال ہے، ہر عیب ان کے لیے کمال ہے۔ ایمان بیشک جائے، بلا سے رسول کے دشمنوں میں نام آئے لیکن امام الطائفہ کی حمایت ضرور کرنی چاہیے خواہ اس کے لیے یہاں قرآن و حدیث کی منشا

کو بدلتا پڑے اور وہاں بھڑکتی ہوئی دوزخ میں جلنا پڑے۔ بہر حال ایسا کہنے اور لکھنے والے حضرات آنجنہانی ہوئے۔ انہوں نے جیسے درخت بوئے تھے ویسے ہی پھیل کھا رہے ہوں گے۔

ملک صاحب! ایسا سبق پڑھانے والے حضرات کے معتقدین و متبعین سے کہیے تو سہی کہ کیا آپ یہ اجازت دیتے ہیں کہ آئندہ آپ حضرات کو شہادہ و فرود، فرعون و ہامان اور ابو جہل و ابولہب یا کانے و جال کا بھائی کہنے اور لکھنے کا التزام کیا جائے۔ اگر سیخ پا ہوں تو انہیں ایسی ہی آیات و احادیث پڑھ کر سنا دینا اور کہنا کہ اولادِ آدم ہونے کے باعث آپ کو ان کا بھائی ہونے سے انکار کیوں؟ زیادہ سے زیادہ یہ بات سہی کہ دعویٰ اسلام کے باعث آپ خود کو بڑا بھائی اور انہیں اپنے چھوٹے بھائی سمجھ لیں۔ بلکہ یہاں تک فرمایئے کہ آپ لوگوں کے مذہب کی رو سے تو کوئی آپ کو اگر کتوں، گدھوں اور خنزیروں کا بھائی بھی کہے تب بھی نہ چڑیں بلکہ بلحاظ مخلوق ہونے کے اس بھائی چارے پر فخر کریں اور مسلمانوں کا دعویٰ رکھنے کے باعث بڑے بھائی ہونے پر اکرے پھریں۔

ملک صاحب! حقیقت میں وہاں بیت کے معجون کا جزو اعظم ہی مقربین بارگاہ الہیہ کی گستاخی ہے۔ قرآن و حدیث کی پاکیزہ فضاؤں میں بھی یہ حضرات شب و روز اسی تگ و دو میں رہتے ہیں کہ یہ گندگی وہاں بھی مل جائے لیکن وہاں تو ایمان افروز خوشبو کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ ہار جھک مار کر آیات و احادیث پر عمل جراحی کر کے ان کے معانی کو اپنے مدعا پر ڈھالتے اور یوں اپنا کام نکالتے ہیں۔ اگر اس طرح بھی کام نہ چلے تو انفر کی مشین کو کام میں لاتے اور منہ مانگی مراد پاتے ہیں۔ دور کیوں جائیں گنگو ہی صاحب کے مریدین و معتقدین سے کہیے کہ جس حدیث میں سرور کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے بھائی کہا کرو، اگر کوئی بھی مرد میدانِ نبویؐ سے تو علی الاعلان

اُس کی استادی کا لوہا مان لیا جائے گا۔ بصورت دیگر انتراپردازی کی اس مشین کو توڑ کر پھینک دینا چاہیے جو لعنۃ اللہ علی الکذبین کا مستحق بناتی اور مقرَّبین بارگاہ الہیہ کی گستاخی پر جبری کر کے نارِ جہنم تک پہنچاتی ہے۔ ملک صاحب اگر باخاطر نہ ہو تو ایسے جملہ حضرات کو مکتوباتِ امام ربانی کی یہ ایمان افروز، نخبیت سوز، عبارت بھی سنا دیجئے۔

محبوبان کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را بشر گفتند و رنگ سائر بشر تصور نمودند ناچار منکر آمدند و صاحبِ دولتوں کہ اورا علیہ الصلوٰۃ والسلام بعنوان رسالت و رحمتِ عالمیان دانستند و از سائر ناس ممتاز دیدند بدولتِ ایمان مشرف گشتند و از اہل نجات آمدند۔	جن دل کے اندھوں نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر کہا اور آپ کو دوسرے انسانوں کی طرح تصور کیا، آخر کار وہ آپ کے منکر ہو گئے۔ لیکن جن خوش نصیب حضرات نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسولِ خدا اور رحمتہ للعالمین ہونے کی جانب سے دیکھا، تو انہیں آپ تمام انسانوں سے ممتاز نظر آئے اور ایسے لوگ دولتِ ایمان سے مشرف ہو کر نجات پانے والوں میں سے ہو گئے۔
--	---

ملک صاحب! معلوم نہیں کس مصلحت کے تحت آپ نے تعلیماتِ مجددیہ کے ۵۶۸ صفحات میں سے ایک صفحہ بھی ان لوگوں کو سمجھانے کے لیے مخصوص نہ کیا جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی فہمائش کے باوجود نشانِ رسالت میں گستاخیاں کرنا باعثِ فخر شمار کرتے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ایسے لوگوں کو سمجھانے کی

۱۸۰ مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، حصہ ہشتم، ص ۱۸۰

آپ کیوں ضرورت محسوس نہیں کرتے؟ معلوم کچھ ایسا ہوتا ہے کہ تعظیم رسالت شاید آپ حضرات کے دین میں سرے سے داخل ہی نہیں ہے یا اگر شامل ہے تو یہ بالکل معمولی اور سہل سی بات ہوگی جس کے باعث کسی گستاخ رسول کو سمجھانے بچھانے اور راہ ہدایت پر لانے کی چنداں ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی۔

۵ کیوں کسی غیر سے میں شکوہ بیداد کروں
لطف تب ہے کہ تجھی سے تری فریاد کروں

۱۰

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اعزیز نے شیخ نور الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوب گرامی لکھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کے بارے میں یہ وضاحت فرمائی ہے:

چوں وجود آنسور علیہ و علی آلہ
الصلاۃ والسلام در عالم ممکنات
نبا شد بلکہ فوق این عالم باشد
ناچار اُوراسایہ بنود و نیز در عالم
شہادت سایہ شخص از شخص
لطیف تراست و چوں لطیف
ترے از دے در عالم نبا شد
اُوراسایہ چہ صورت دارد علیہ
و علی آلہ الصلاۃ والتسلیمات
لے

جبکہ آل حضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم اس عالم ممکنات
ہی سے نہیں ہیں بلکہ اس عالم سے
بلند و بالا ہیں، اس لیے ان کا سایہ
نہ تھا اور یہ بات بھی ہے کہ عالم
شہادت میں آدمی کا سایہ
اُس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے
اور جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم سے زیادہ لطیف دنیا میں
کوئی چیز نہیں ہے تو فخر دو عالم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ کیسے ہوتا

ملک صاحب! تعلیماتِ مجددیہ میں ایسی عبارتیں پیش کر کے ان لوگوں کو سمجھانا

چاہیے تھا جو حضرت اہم ربانی کی واضح تصریحات کے خلاف سرور کون و مکان صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے سایہ ثابت کرنے پر ایڑھی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں اور
 ایسی حرکتوں میں خاص لطف و لذت محسوس کرتے ہیں۔ اُن سے پوچھیے تو سہی کہ یہ
 طرز عمل اختیار کرنا اُن کی ساختہ توحید کا تقاضا ہے یا حسبِ رسول انہوں نے اسی ستم ظریفی
 کا نام رکھا ہوا ہے۔

کہنے کو اُن سے کہہ رہا ہوں حالِ دل مگر

ڈر ہے کہ شانِ ناز پر شکوہ گراں نہ ہو

(۱۱)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے عالمِ ماسکان و مایکون صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہِ پاک کے متعلق لکھا ہے:۔
 حدیث: تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي
 تحریر یافتہ بود اشارت بدوام آگاہی نسبت
 بلکہ اخبار است از عدم غفلت از جریان
 احوالِ خویش و اُمتِ خویش، لہذا نوم در
 حق آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام ناقص طہارت
 نگشت و چون نبی در رنگِ شبان است
 در محافظتِ اُمتِ خود غفلتِ شایان
 منصبِ نبوتِ او نباشد

حدیث: میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل
 نہیں سوتا، جو تحریر فرمائی ہے، اس میں
 دوام آگاہی کا اشارہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ
 اس بات کی خبر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اور اپنی اُمت کے
 حالات سے کسی وقت بھی بے خبر نہیں ہیں۔
 اسی لئے تو نیند آپ کے حق میں ناقص
 (توڑنے والی) وضو نہ بھتی۔ چونکہ نبی نگران
 کے رنگ میں ہوتا ہے۔ اس لئے اپنی اُمت
 کی محافظت سے کسی وقت بھی غافل رہنا
 اُس کے منصبِ نبوت کے شایان نہیں۔

۱۱ مکتوباتِ اہم ربانی، دفتر اول، حصہ دوم، ص ۱۱۰

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ تو فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بحالتِ خواب بھی اُمت کے حالات سے غافل نہیں مانتے اور مسلمانوں کو بھی آپ ہی سبق دیتے رہے۔ لیکن آج کل ایسے بھی مسلمان کہلانے والے موجود ہیں جو حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی عقیدت کا دم بھرتے رہتے ہیں۔ لیکن سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیوارِ تیچھے کے حالات سے بے خبر بتاتے رہتے ہیں۔

منافقین مدینہ نے بھی ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا تھا کہ :- وَمَا يُدْرِيكَ بِالْغَيْبِ (محمد کو غیب کی کیا خبر) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم — معلوم کچھ ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے منافقین مدینہ کی پیروی کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہوئے اسی روش پر جینے اور مرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ اسی لئے وہ مسلمانوں کو علی الاعلان یہ درس دیتے رہتے ہیں :-

”غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے رسول کو کیا خبر“ ۱۲

اور جو مسلمان حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے لئے بے طاعے الہی علمِ غیب مانتا ہے اُس پر کفر و شرک کی توپ داغنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو منافقین کی کفریہ تقلید سے روکنے اور تعلیماتِ مجددیہ کی روشنی میں اسلامی عقیدہ رکھنے کی تلقین کی جاتی تو اس میں ملک صاحب کا دینی یاد دہانی نقصان تو کوئی نہیں تھا۔ افسوس !

متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزہ خون ریز ہے سانی

(۱۲)

ملک صاحب نے اپنی کتاب تعلیماتِ مجددیہ کے صفحہ ۷۸ پر سورہ اعراف کی

۱۲۔ براہینِ قاطعہ، مطبوعہ دیوبند، ص ۵۵

۱۳۔ تقویتہ الایمان، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ص ۱۰۸

آیت ۱۹۴ نقل کر کے تقویت الایمانی موڈ میں یوں اس کا ترجمہ تعلیمات مجددیہ اور مسک اہلسنت وجماعت کے خلاف کیا ہے :-

اِنَّ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ | داتھی خدا کو چھوڑ کر جن کو تم پکارتے ہو
اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ (الآیۃ) | وہ بھی تم جیسے بندے ہیں۔

آگے موصوف نے انبیائے کرام علیہم السلام اور حضرات اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی عداوت کے نشے سے سرشار ہو کر مسلمانوں کو بھی اسی رنگ میں رنگنے کی خاطر اس آیت کا مفہوم یوں بیان کیا ہے :-

”قرآن پاک میں اس مقام پر اس امر کی صاف تصریح ہے کہ مشرکین اللہ کے سوا انبیاء و اولیا اور ملائکہ کو دفع مضرت اور جلب منفعت کے لئے پکارا کرتے تھے۔ اسی لئے ان کو کہا گیا کہ جن کو تم امداد کے لئے پکارتے ہو وہ بھی تمہاری مانند بندے ہیں۔ محض اصنام و اوثان پر عباد کا اطلاق نہایت بعید معلوم ہوتا ہے اور پھر اَمْثَالُكُمْ کا لفظ اس سے ابا کرنا ہے۔“ لے
ملک صاحب کی خدمت میں ہم چند گزارشات اس آیت مبارک کے سلسلے میں پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہر منصف مزاج کو حق و باطل کا فیصلہ کرنے اور حقیقت تک پہنچنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہو۔ امید ہے کہ ہماری موذبانہ گزارشات ملک صاحب کے لئے بارِ خاطر نہ ہوں گی۔ عرض ہے کہ :-

سہ قتلِ عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا

پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا

اولاً :- گزارش ہے کہ اس آیت میں لفظ يَدْعُوْنَ نہیں بلکہ تَدْعُوْنَ ہے۔

ثانیاً :- ملک صاحب نے اس لفظ کا ترجمہ، تم پکارتے ہو، کیا ہے۔ جس کے بائے میں عرض ہے کہ :-

۱۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے :-

لے۔ تعلیمات مجددیہ، مطبوعہ چٹان پرنٹنگ پریس لاہور، ص ۷۹

ہر آئینہ کسانیکہ عبادت میکنید بجز خدا۔

۲۔ دیوبندیوں کے حکیم الامت، جناب بھٹانوی صاحب یوں ترجمہ کرتے ہیں :-

”واقعی تم خدا کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو۔“

ملک صاحب سے ہم یہاں صرف اتنی وضاحت کے طلبگار ہیں کہ ایک طرف آپ ہیں اور دوسری جانب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولوی اشرف علی صاحب بھٹانوی ہیں۔ آپ اس لفظ کا ترجمہ، پکارنا، بتا رہے ہیں جبکہ ان دونوں حضرات کے نزدیک، عبادت کرنا، اس کا ترجمہ ہے۔ ازراہ کرم صرف اتنا بتا دیا جائے کہ فریقین میں سے کس فریق نے اس آیت کا صحیح ترجمہ کیا ہے اور کس فریق نے قرآن کریم کی معنوی تحریف کر کے یہود و نصاریٰ کی تقلید کی ہے؟ یہ فیصلہ اب ملک صاحب ہی کو فرمادینا چاہیے اور جس فریق کو وہ قرآن کریم کی معنوی تحریف کرنے والا قرار دیں، بہتر ہے کہ اسے ارشادِ خداوندیٰ

إِنَّ الَّذِينَ يَفْتُرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ

اور فرمانِ مصطفویٰ :-

مَنْ فَسَّرَ الْقُرْآنَ بِرَأْيِهِ فَقَدْ كَفَرَ

سنادیں۔۔۔ یہ مد نظر ہے کہ فریقین کا ترجمہ چونکہ متضاد ہے۔ لہذا

دونوں فریق ہرگز سچے نہیں ہو سکتے کیونکہ اجتماعِ ضدین محال ہے۔

ثالثاً۔ ملک صاحب نے لکھا ہے کہ :- ”قرآن پاک میں اس مقام پر اس

امر کی صاف تصریح ہے کہ مشرکین اللہ کے سوا انبیاء اور ملائکہ کو دفعِ مضرت اور

جلبِ منفعت کے لئے پکارا کرتے تھے۔“ اگر محترم ملک صاحب

اس بیان میں سچے ہیں اور خوفِ خدا و خطرہ روزِ جزا سے عاری نہیں ہو گئے تو خدا

کو حاضر و ناظر جان کر اس آیت میں واقع مذکورہ تصریح سب کو دکھا دی جائے۔ اگر

وہ نہ دکھا سکیں اور بفضلہ تعالیٰ ہم ڈکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ وہ ایسی تصریح اس

آیت میں آخری دم تک نہیں دکھا سکیں گے تو ان کی خدمت میں کلمہ گوئی کا پاس

کرتے ہوئے ہماری یہ عاجزانہ اور خیر خواہانہ التماس ہے کہ ۔
فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۗ — افسوس!

۵ میں اس عارفانہ تجاہل کے صفحے

ہر اک دل کو چھیدا مرا دل سمجھ کے

رابعاً۔ ملت اسلامیہ کے مایع ناز مفسرین نے اس آیت میں واقع مِنْ دُونَ
اللہ سے اصنام ہی مراد لیے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تلقین
یہی ہے کہ علمائے اہلسنت نے کتاب و سنت کے جو مفہوم و مطالب بتائے وہی
قابل اعتماد ہیں۔ نیر ان بزرگوں کی ادنیٰ اسی مخالفت بھی ستم قاتل ہے۔ اس
حقیقت کے باوجود ملک صاحب علمائے اہلسنت کی تصریحات کے باسکل خلاف
جا رہے ہیں اور اُلٹے اُن بزرگوں کی تکذیب کر رہے ہیں۔ کیا تعلیماتِ جدیدہ
پر عمل کرنے کا یہی طریقہ ہے؟ کاش ملک صاحب بھی اس کتاب میں جو کچھ لکھتے وہ
حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو حکم مان کر لکھتے۔

خامساً۔ ملک صاحب ذرا اسی آیتہ کریمہ اور اس سے اگلی آیت کے یہ الفاظ تو
ملاحظہ فرمائیں!

فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ۝ اَلَمْ اَرْجُلُ يَمْشُونَ
بِهَا اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَبِطْشُونَ بِهَا
اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا
اَمْ لَهُمْ اُذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا
قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ
كِيدُونِ فَلَا تُنظِرُونِ ۗ لَ

پس انہیں پکارو، پھر وہ تمہیں جواب دیں
اگر تم سچے ہو۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے
چلیں؟ یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے گرفت
کریں؟ یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں؟
یا ان کے کان ہیں جن سے سُنیں۔ اے محبوب!
تم فرما دو کہ اپنے شرکیوں کو پکارو اور مجھ پر
داؤ چلاؤ اور مجھے مہلت نہ دو۔

۱۹ پارہ ۹، سورہ الاعراف، آیت ۱۹۳، ۱۹۵

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مِنْ دُونِ اللّٰهِ کی پانچ نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔
جو متصلاً مذکور ہیں یعنی :-

۱۔ اگر کوئی انہیں پکارے تو وہ جواب دینے سے مجبور ہیں۔

۲۔ وہ چلنے کے لئے پیر نہیں رکھتے۔

۳۔ پکڑنے کے لئے اُن کے ہاتھ نہیں ہیں۔

۴۔ وہ آنکھیں نہیں رکھتے جن سے دیکھ سکیں۔

۵۔ وہ کان نہیں رکھتے جن کے ساتھ کسی کی بات سُن سکیں۔

ملک صاحب پر اگر اپنے اہم الطائفہ کی تقلید کا اتنا شدید غلبہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر کے سلسلے میں وہ جملہ مفسرین کا فیصلہ نہیں مانتے، مجدد صاحب کو بھی خاطر میں نہ لائے جنہوں نے فرمایا تھا کہ علمائے اہلسنت کی ذرا سی مخالفت بھی ستم قاتل ہے۔ اپنے تھانوی صاحب کو بھی ٹھکرا گئے جو معبودانِ باطل کی جانب اشارہ کر رہے ہیں اور شاہ ولی اللہ کا دامن بھی جھٹک دیا کیونکہ انہوں نے فرمایا تھا کہ یہاں مراد وہ ہیں جن کی مشرکین پوجا کرتے ہیں۔ ایک کی خاطر ساری اُمت سے تو بگاڑ لی۔ اہل حق کی مخالفت کا پکا سہی ساتھ ہی تعلیماتِ مجددیہ پر عمل کرنے اور ولی اللہی مکتبہ فکر کی گردان پڑھنے کا بھرم تو کھل گیا۔ چلیے ان سب کو ایک کی خاطر چھوڑ دیا لیکن ملک صاحب کم از کم اپنے خالق و مالک کی بات تو مان جائیں، جس نے مِنْ دُونِ اللّٰهِ کی اسی جگہ پانچ اسی نشانیاں بتادیں، صاف صاف بیان فرمادیں جو بتوں کے سوا اور کسی میں موجود نہیں ہیں۔ دیکھیے اب ملک صاحب اپنے اہم علی الاطلاق کے مقابلے میں خدائے قادرِ مطلق کے فیصلے کو بھی خطرے میں لاتے ہیں یا نہیں۔

سادسا۔ ملک صاحب اگر بُرا نہ مانتے تو اپنے ہی قبیلے کے مولوی عبدالماجد دریا آبادی کی بات سُن لیں۔ موصوف اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے یہ وضاحت فرما رہے ہیں۔

تَدْعُونَ فِي دُعَاةٍ مِنْ دُعَاةٍ مَرَادٍ ان بتوں کو معبود قرار دینا اور فَادْعُوهُمْ

میں دعا سے مراد ان سے طلبِ نفع و دفعِ ضرر چاہنا ہے۔ لہ
 اگر ساری اُمتِ محمدیہ کے ساتھ ملک صاحب نے خدا کا فیصلہ بھی نہ مانا تو بیچارے
 مولوی عبدالماجد صاحب کو کب خطرے میں لانے لگے ہیں۔ جہاں ساری اُمتِ محمدیہ
 کو مشرک ٹھہرایا ہے وہاں ایک یہ بھی شرک پسند اور سہی — بہر حال ہم نے
 قرآنِ کریم میں مصنفِ تعلیماتِ مجددیہ کی تخریف پسندی تحکم اور سینہ زدوری کا یہ صرٹ
 ایک نمونہ پیش کیا ہے۔ اسی سے موصوف کی کارگزاری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے —
 معلوم نہیں ملک صاحب ہماری ان خیر خواہانہ گزارشات سے کوئی اچھا اثر لے کر اپنی روش
 پر نظر ثانی کرنے میں بہتری سمجھیں گے یا اس خیر خواہی کے جرم میں احقر کو موردِ الزام
 اور نشانہٴ طعن و تشنیع بنائیں گے، حالانکہ —

من آنچه شرطِ بلاغِ ست باتومی گویم
 تو خواہ از سختم پند گیر و خواہ ملال

۱۳

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تصانیف اور خصوصاً آپ کے مکتوبات شریف
 کا مطالعہ کرنے والوں پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ شیخ مجدد علیہ الرحمہ نے
 کتنے ہی مقامات پر اپنے کشف کا ذکر فرمایا ہے بلکہ اُسے یقین کا درجہ دیا ہے اور
 مقامِ استدلال میں تبعا اپنے کشفات کا تذکرہ کیا ہے۔ خود ملک صاحب نے
 تعلیماتِ مجددیہ میں ایسی کئی عبارتیں نقل بھی کی ہیں — لیکن مولوی اسمعیل دہلوی
 صاحب کا فیصلہ یہ ہے —

وہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ سب جو غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں،
 کوئی کشف کا دعویٰ رکھتا ہے، کوئی استخارہ کے عمل سکھاتا ہے، کوئی
 تقویم اور پترانکالتا ہے، کوئی رمل اور قرعہ پھینکتا ہے، کوئی فالنامہ

لہ تفسیر ماجدی، مطبوعہ تاج کمپنی، ص ۳۷۱

لئے پھرتا ہے، یہ سب جھوٹے ہیں اور دغا باز۔ ان کے جال میں ہرگز نہ پھنسا چاہیے۔“ لہ

کاش! تعلیماتِ مجددیہ میں جناب ملک حسن علی صاحب خود ہی فیصلہ فرما دیتے کہ مولوی اسمعیل دہلوی اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ان کے نزدیک کون جھوٹا اور دغا باز ہے۔ اگر ملک صاحب اب بھی یہ فیصلہ فرمادیں تو یقیناً ایک بہت بڑی الجھن دور ہو جائے گی۔ نیز ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمادیں کہ استخارہ کا عمل تو خود سرور کون درمکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تعلیم فرمایا تھا لیکن امام اطاؓ سے بھی جھوٹے اور دغا باز لوگوں کا کام بتا کر ان کے جال سے بچنے کی تلقین فرما ہے ہیں۔ اپنے امام علی الاطلاق کا ہولی کھیلنا تو دیکھا لیکن کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ موصوف جس کا کلمہ پڑھتے تھے اُس ہستی کو بھی جھوٹا اور دغا باز کہنے سے چوکتے نہیں تھے۔

کیا ملک صاحب کے ذہن میں اس کی کوئی اسلامی تاویل ہے؟

دیکھیے اس بکر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا

گنبد نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا؟

برسبیل تذکرہ ملک صاحب سے یہ بھی گزارش ہے کہ تعلیماتِ مجددیہ کے صفحہ

۴۰۱ پر امام ابوالحسن عشری لکھا ہے اور صفحہ ۴۵۱ پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا سن وفات ۶۳۲ھ اور مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا ۶۴۳ھ مندرج ہے۔

ایسی چھوٹی موٹی کتنی ہی غلطیاں ہیں، اگر ان کی طرف بھی توجہ فرمائی جائے تو فائدہ سے خالی نہیں، نیز غلط حوالوں سے پرہیز کیا جائے تو اس میں ان کا اپنا بھی بھلا ہے۔ بخوف طواف ایسی البیلی اداؤں کی جانب صرف اشارے پر اکتفا کر رہا ہوں ورنہ یہ کارگزاری بھی اپنی وسعت کے باعث کئی صفحات پر پھیلتی چلی جاتی۔

اظہار حقیقت۔ ملک حسن علی صاحب نے تعلیماتِ مجددیہ کو اپنے مخصوص

رنگ ڈھنگ میں پیش کر کے اسکی وہابیت سے مطابقت دکھانا چاہی تھی۔ لیکن

لہ تقویت الایمان، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ص ۵۶

مذہب مہذب، اہلسنت و جماعت اور ماڈرن خارجیت کا ایک ہی تصویر کے دو رخ ثابت ہو جانا ناممکن ہے کیونکہ دونوں کے درمیان زمین و آسمان سے بھی زیادہ دوری ہے۔ باقی رہا ان حضرات کا معاملہ جو خانہ ساز فیکٹری میں آیات و احادیث کے بھی اپنی منشا اور غرض و غایت کے تحت مفہوم و مطالب تیار کرتے رہتے ہیں وہ مکتوباتِ امام ربانی اور تعلیماتِ مجددیہ پر بھی مشقِ ستم جاری رکھتے ہوئے ان کا اپریشن کر دیں تو کونسی جائے تعجب ہے؟

دوسرا حال اور اس کا بد حال۔ اب ہم موصوف کے دوسرے مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں جو انہوں نے موجودہ اہلسنت و جماعت اور حضرت مجدد الف ثانی کے مسلک میں تضاد ثابت کرنے کی کوشش کی۔ نیز اس مقدس امانت کے محافظ اور چودھویں صدی میں حق و صداقت کے بیباک علمبردار و سرمایہ ملت کے نگہبان امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر ایسے گھنوںے الزامات عائد کئے ہیں جن سے اس مردِ حق آگاہ کا دامن بالکل پاک تھا۔ ملک صاحب نے یہ کارگزاری اور ہاتھ کی صفائی اس لئے دکھائی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز اور مجدد مائتہ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) کے درمیان تضاد اور مخالفت ثابت کریں حالانکہ یہ دونوں بزرگ ایک ہی گھرانے کے فرد، ایک ہی تصویر کے دو رخ، ایک ہی سرمایہ ملت کے نگہبان اور ایک ہی مسلک کے پاسبان تھے۔ ہم آئندہ سطور میں ملک صاحب کے بعض الزامات نقل کر کے ان کے بالمقابل صورتِ حال اور حقیقت کا اظہار کر دینا چاہتے ہیں۔ اب یہ قارئین کرام کا کام ہوگا کہ وہ کھرے اور کھوٹے کو انصاف کی کسوٹی پر پرکھ لیں، دیانتداری کی میزان پر تول لیں اور یہ فیصلہ کر لیں کہ پھول کدھر ہیں اور کانٹے کدھر۔ اس کے بعد ان کی اپنی پسند ہوگی کہ چاہیں تو پھولوں کے سامنے دیدہ و دل فرس راہ کریں یا شوقِ گل بوسی میں دیدہ دانستہ اپنے لبوں کو کانٹوں پر رکھ دیں۔ یہ ان کا اپنا فیصلہ ہوگا جو دنیا اور آخرت میں ہر وقت ان کے ساتھ رہے گا۔ وَاللّٰهُ يَهْدِي

مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ — ملک صاحب نے اپنا دوسرا مقصد حاصل کرنے کی خاطر امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر یوں مشقِ ستم فرمائی ہے :-

” مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے جو بریلوی حضرات کے نزدیک دورِ حاضر کے مجدد ہیں اور جنہیں حضور پر نور، اعلیٰ حضرت، ام اہلسنت، عظیم البرکت، مجدد مائتہ حاضرہ کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے برعکس بدعات کی خوب تلقین کی، بلکہ بدعات کی نشر و اشاعت کے لئے اپنی زندگی وقف رکھی۔“ لے

یہ حقیقت شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ملتِ اسلامیہ کی مایہ ناز ہستیوں میں سے ایک ہیں۔ واقعی آپ چودھویں صدی کے مجدد، اہلسنت و جماعت کے امام برحق، اپنے وقت میں کشتیِ ملت کے پاسبان اور نہایت ملت کے نگہبان تھے۔ ان کے بارے میں غم و غصہ اور قلبی غیض کا اظہار سبباً ہی ہے جیسے کوئی حجۃ الاسلام امام محمد غزالی (المتوفی ۵۰۵ھ)، امام غزالی (المتوفی ۶۰۶ھ)، امام جلال الدین سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) اور علامت مجدد الف ثانی (المتوفی ۳۳۴ھ) رحمۃ اللہ علیہم جیسے بزرگوں سے بغض و عداوت رکھے **اللَّهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ**۔

حقیقت یہ ہے کہ انگریزوں کی آمد سے پہلے متحدہ ہندوستان میں جمہولی سی تعداد روافض کی تھی اور باقی مسلمان کہلانے والے وہی تھے جو اہلسنت و جماعت کہلاتے ہیں۔ یہی ناجی گروہ اور مسلمانوں کا سوادِ اعظم ہے۔ برٹش گورنمنٹ نے اپنے استحکام کی خاطر یہ ضروری سمجھا کہ اہل حق کی طاقت کو توڑا اور ان کی جمعیت کو منتشر کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کو حاصل کرنے کی خاطر حکومت نے اپنے ڈھنگ کے صاحبانِ جہہ و دستار کی کھیپ تیار کی، بعض لوگوں کے دین و ایمان کو

لے تعلیماتِ مجددیہ، مطبوعہ چٹان پرنٹنگ پریس لاہور، ص ۲۰۴، ۲۰۵

چند سکوں کے بدلے خریدا اور ان سے مقدس شجر اسلام میں غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں لگوا کر نئے نئے فتنے کھڑے کئے، جن کے باعث ہر فتنہ باز کے پیچھے لگنے والوں کا ایک فرقہ بن گیا اور یوں متحد ہندوستان میں فرقہ سازی کا کاروبار چمکا، اس فتنے کا سیلاب ایسا اُٹ کر آیا کہ آج تک کھمنے کا نام نہیں لیتا۔ اہل حدیث، دیوبندی، پٹنہ، مرزائی، نابھی، بابی، بہائی، اسماعیلی، منکرین حدیث اور جماعت اسلامی وغیرہ کتنی ہی جماعتیں بڑے خوشحالیوں کے لیبیل لگا کر منظر عام پر آگئیں جو برٹش گورنمنٹ کے پرفتن دور کی زندہ یادگار ہیں۔

مبّد عین زمانہ کا ہر ٹولہ اپنے روزِ اول ہی سے انگریزوں کی ہدایت کے مطابق مسلمانوں کے سوادِ اعظم یعنی اہلسنت و جماعت سے برسرِ پیکار چلا آ رہا ہے۔ انہوں نے دینِ فرشتی عوام سے چھپانے کی خاطر بزرگانِ اہلسنت کو بکاؤ مال بتاتے ہیں۔ اپنی بے راہ روی پر پردہ ڈالنے کی خاطر اہلسنت و جماعت کو بدعتی اور مشرک ٹھہراتے رہتے ہیں اور فرقے کی جدت اور نوزائیدگی کو چھپانے کی خاطر اس ناجی گروہ اور سوادِ اعظم کو بریلوی فرقہ قرار دے کر حق و باطل کو غتر بود کرنا چاہتے ہیں۔ نیز دورِ حاضر کے عظیم انسان یعنی امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ان لوگوں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت الزامات و بہتانات کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع کر کے ایسی طوفانِ بدتمیزی کا مظاہرہ کیا ہوا ہے کہ شرافت و دیانت اپنا سر پیٹ کر رہ جاتی ہے۔

بلکہ حسن علی صاحب کا تعلق چونکہ غیر مقلد فرقے سے ہے جو انگریز بہادر کے لطف و کرم اور منظوری کے باعث اہل حدیث کہلاتا ہے۔ موصوف بھلا اپنے بڑوں کی تقلید میں اکابر اہلسنت کے خلاف کیوں زبانِ طعن دراز نہ کریں؟ دورِ حاضر کے مایہ ناز بزرگ اور قابلِ فخر مجاہد، امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو کیوں موردِ الزام نہ ٹھہرائیں جبکہ اعلیٰ حضرت نے اپنے دور میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح گمراہی کے پھیرے ہوئے سیلاب کا رخ پھیرا اور سارے گمراہ گروں کا ناطقہ بند کر کے رکھ دیا تھا۔ ایسے دلائل باہرہ اور براہینِ قاہرہ قائم کئے تھے کہ جملہ برٹش نواز

اور گاندھوی علماء کو مجالِ دمِ زدن نہ رہی، سارے ساکت و صامت اور مہوت ہو کر رہ گئے اور تحریر و تقریر کے میدان میں آپ کے سامنے ٹھہرنے کا یارا نہ رہا بلکہ اپنے صریح عجز پر سکوت کی ہر ہی ثابت کرتے رہے۔ فریقین کی تصانیف آج بھی اس امر کی شہادت دے رہی ہیں جو منصف مزاج معاملے کی تہ تک پہنچنا چاہے وہ اسی فیصلے تک نہ پہنچے تو ہمارا ذمہ۔

یہ ستم ظریفی بھی تو ایک طرفہ تماشہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور کے غلط کار علماء اور جاہل صوفیہ کا تعاقب کر کے ان کے شر کو دفع کیا تو مبتدعینِ زمانہ آج بھی انہیں مجدد تسلیم کرتے اور سرمایہٴ ملت کا نگہبان قرار دے کر عزت سے نام لیتے ہیں۔ لیکن چودھویں صدی میں جب ایسا وقت آیا اور احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالفضل و فیضی وغیرہ کی یاد تازہ کرنے والے جملہ بڑے نواز اور گاندھوی علماء کا تعاقب کر کے ان کے شر کو دفع کیا، دودھ اور پانی علیحدہ کر دکھایا تو بعض حضرات انصاف کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ کر اُلٹے آپ ہی کو مطعون کرتے رہتے ہیں۔ گویا اب انہیں ابوالفضل و فیضی سے پیار اور مجدد الف ثانی کے نائب سے خار ہے۔ خدا را سوچیے تو سہی کہ یہ کیسا آزار ہے؟ آخر یہ انصاف اور دین و دیانت کا خون تاپہ کے؟

تعلیماتِ مجددیہ میں جناب ملک صاحب نے یہ نو لکھ دیا کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے بدعات کی نشر و اشاعت کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی لیکن سہیتِ حق تو ملاحظہ ہو کہ موصوف کسی ایک بدعت کی نشاندہی بھی نہ کر سکے جس کی اعلیٰ حضرت نے نشر و اشاعت کی ہو۔ ملک صاحب کی خدمت میں موڈ بانہ التماس ہے کہ وہ بہمت کر کے اپنے کہے کا پاس رکھتے ہوئے مذہبِ ہندب اہلسنت و جماعت اور تعلیماتِ مجددیہ کی روشنی میں کسی ایک ہی بدعت سے مطلع فرمانے کی زحمت تو گوارا کریں، جس کی مجدد مایہ حاصرہ قدس سرہ نے اشاعت کی ہو؟ ہم بعونہ تعالیٰ اعلان کرتے ہیں کہ ملک صاحب اپنی باقی ساری زندگی میں بھی ایسی کسی ایک بدعت کی نشان دہی نہیں کر سکیں گے۔

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

اس سادگی پہ کون نہ مٹ جائے اے خدا

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ملک صاحب نے تعلیماتِ مجددیہ میں صداقت و انصاف کا خون کرتے ہوئے موجودہ اہلسنت و جماعت کو بدنام کرنے کی خاطر، انہیں مطعون کرنے اور موردِ الزام ٹھہرانے کے لئے یہاں تک الزام تراشی کی ہے:-

”بریلوی حضرات مذہبی امور میں باوجود حنفی المذہب کے ادعا کے مولانا

احمد رضا خاں صاحب کی تحکیم و تفسیر اور توجیہ و تاویل کو حرفِ آخر مانتے

ہیں اور اس کے مقابلے میں کسی دوسرے اہم و محدث و مفسر و فقیہ کو

ترزیح دینے پر آمادہ نہیں ہیں“ اے

ملک صاحب! قیامت آخر کار ضرور آئے گی — ہم سب کو یقیناً بارگاہِ

خداوندی میں پیش ہونا پڑے گا — وہاں اگر آنجناب سے پروردگارِ عالم نے اس

دعوے کا ثبوت طلب کیا تو غور فرمائیے کہ آپ کے پلے کوئی ثبوت ہے؟ کیا

آپ علمائے اہلسنت یعنی اپنی اصطلاح میں بریلوی مولویوں میں سے کسی ایک بھی

ایسے ذمہ دار عالم کی نشاندہی کر سکیں گے جو مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی تحکیم و تفسیر

اور توجیہ و تاویل کے مقابلے میں کسی اہم و محدث و مفسر و فقیہ کو ترزیح دینے پر

آمادہ نہیں ہوتا ہے؟

ملک صاحب! گستاخی معاف، اپنے اس دعوے کو سچا ثابت کرنے کی خاطر نہ

آج آپ ایک بھی دلیل پیش کر سکتے ہیں نہ کل دائرِ محشر کے حضور کوئی دلیل پیش کر

سکیں گے۔ ان حالات میں ضرورت تو اس امر کی ہے کہ ایسی روش سے توبہ کر کے وہ

راستہ اختیار کیا جائے جس پر گامزن ہونے میں دارین کی سرخوردگی اور نیک نامی ہے

یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ بغضِ معاویہ میں آدمی اتنی دور چلا جائے کہ خود اپنی ہی

عاقبت برباد کر بیٹھے۔ مسلمان کا شیوہ تو یہ ہے کہ وہ اللہ کے دوستوں سے محبت

رکھتا ہے اور اللہ کے دشمنوں سے اُسے دلی عداوت ہوتی ہے۔ اس کو الحب فی اللہ
والبغض فی اللہ کہتے ہیں۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ ملک صاحب صرف یہ چاہتے ہیں کہ عوام الناس سے
موجودہ اہلسنت وجماعت کو بریلوی فرقہ باور کروایا جائے اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی
کو اُس فرقے کی سب سے بڑی اور مرکزی ہستی منوایا جائے اور بس۔ کاش! ملک صاحب
اتنا سوچنے کی زحمت گوارا فرمایتے کہ سینہ زوری، سخن پروری، الزام تراشی اور دھاندلی
سے حقائق بدلا نہیں کرتے۔ مانا کہ اس دنیا کے دنی میں اندھیر ہے لیکن جناب والا صبح
قیامت میں کیا دیر ہے؟ اِنَّ مَوْعِدَكُمْ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ

۵ احباب کی یہ شانِ سریفانہ سلامت

دشمن کو بھی یوں زہرا گلتے نہیں دیکھا

حق سے خار، باطل سے پیار۔ ملک حسن علی صاحب نے ناصحانہ انداز میں
بڑی دلسوزی کے ساتھ دیوبندی اور بریلوی اختلاف کے بارے میں اپنے تاثرات
یوں قلمبند فرمائے ہیں:-

”سمندر متلاطم ہے، ہوا مخالف ہے، ہم سب ایک ہی ناؤ میں سوار
ہیں، ہم نے پاکستان کا دفاع کرنا ہے اور اسلام کی بھی حفاظت کرنی ہے،
ہماری گردنوں پر نہایت اہم ذمہ داریاں ہیں۔ میرا روئے سخن دیوبندی
بریلوی مناقشت کی طرف ہے۔ اس فتنہ کی تخم ریزی گورنمنٹ برطانیہ
نے کی۔ یہ فتنہ پھلا پھولا اور خوب بڑھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ گورنمنٹ
برطانیہ کے رخصت ہونے پر یہ فتنہ خود بخود فرو ہو جاتا مگر اس کے
برعکس اس فتنہ نے نہایت خطرناک صورت اختیار کر لی۔ ایک محاذ پر
تو جمع ہونا درکنار ایک مجلس میں بھی جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ دونوں جماعتیں
بنیادی لحاظ سے اہل سنت و الجماعت ہیں۔“ ۵

۵۔ ملک صاحب کو چاہیے تھا کہ اہلسنت وجماعت لکھتے یا اہل سنت و الجماعت (اختر)

۵ تعلیماتِ مجددیہ، مطبوعہ لاہور، ص ۳۲۹، ۳۳۰

اہل حق کے خلاف ملک صاحب کے اندر جو آگ سلگ رہی ہے اُسے چھپانے کی پوری کوشش بھی کر رہے ہیں لیکن دبی ہوئی آگ کی چنگاریاں باہر نکلنے اور اپنی چمک دمک دکھانے کے لئے متواتر مچل بھی رہی ہیں۔ اسی کشمکش کے عالم میں موصوف نے مسلمانوں سے یوں اپیل بھی کی ہے۔

”جمہور اہل اسلام اور علمائے کرام سے اپیل کرتا ہوں کہ حالات بدل چکے ہیں۔ گورنمنٹ برطانیہ اپنا بستر بوریہ اٹھا کر رخصت ہو چکی ہے۔ یہ سب کرشمے اسی گورنمنٹ برطانیہ کے تھے۔ ہندوستان میں پھوٹ ڈالنے کے لئے گورنمنٹ برطانیہ نے بہت کھیل کھیلے، یہ سب ایک طویل اور دردناک داستان ہے، ہمارے بھولے بھالے بھائی اس جال میں شکار ہوتے رہے۔ اب حکومت اہل اسلام کی ہے، ان غلط درغلط فتووں سے بچو، یہی تقاضا ہے اسلام کا، اس وقت ہمارے ملک کا، خدا تعالیٰ نے تم کو بھائی بھائی بنایا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو ایک رشتہ میں منسلک کر دیا ہے خدا کا فرمان ہے گروہ گروہ نہ بنو، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اہل اسلام سب کے سب مل کر اللہ کی مضبوط رسی کو تھام لے۔ ملک صاحب کی مذکورہ دونوں ناصحانہ عبارتوں سے ان کا اپنا مقصد تو حاصل ہو رہا ہے۔ جو کچھ وہ کہنا چاہتے تھے اشاروں کنایوں میں سب کچھ ارشاد فرما گئے ہیں۔ ان عبارتوں میں مندرجہ ذیل باتیں مبہم اور وضاحت طلب ہیں جن کی تصریح فرمادینی چاہیے تھی۔

- ۱۔ دیوبندی بریلوی اختلاف میں گورنمنٹ برطانیہ نے کس طرح حصہ لیا؟
- ۲۔ مدلل بیان کرتے کہ گورنمنٹ کی پیدا کردہ ان میں سے کونسی جماعت ہے؟
- ۳۔ دیوبندی جماعت کے اہلسنت ہونے کا ثبوت پیش فرمادیتے یا محض زبانی دعویٰ ہی کافی ہوا کرتا ہے؟

۱۔ تعلیمات مجددیہ، مطبوعہ لاہور، ص ۳۳۳

۴۔ اگر اختلاف کا ذکر کرنا ملک صاحب کے نزدیک ضروری تھا تو اس اختلاف کی طویل اور دردناک داستان جو ان کے دل و دماغ میں قیام پذیر ہے اُسے تاریخ و حقائق کی روشنی میں منظرِ عام پر لے آتے۔

۵۔ غلط درغلط فتوے کس نے جاری کئے تھے؟ دوچار ایسے فتوے نقل کر کے ان سے بچنے کی تلقین فرماتے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے تو واقعی مسلمانوں کو بھائی بھائی بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یقیناً مسلمانوں کو ایک ہی لڑی میں پرویا ہے۔ لیکن تینوں قسم کے وہابیہ کی خانہ ساز اصطلاحیں دیکھ کر ملک صاحب ذرا وضاحت تو فرمائیں کہ خدا نے کیا موحد و مشرک کو بھی بھائی بھائی بنایا ہے؟ کیا فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے توحید پرستوں اور مشرکوں کو ایک ہی لڑی میں پرویا ہے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو ملک صاحب دیوبندیوں اور بریلویوں سے کس طرح فرما رہے ہیں کہ ”خدا تعالیٰ نے تم کو بھائی بھائی بنایا ہے۔“

۷۔ اللہ تعالیٰ نے تو واقعی فرمایا ہے کہ گردہ گردہ نہ بنو، فرقوں میں نہ بٹو، لیکن وضاحت فرمائی جاتی کہ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والے دیوبندی ہیں یا آپ کے اصطلاحی بریلوی؟ نیز یہ بھی واضح فرمادیتے کہ اس حکم کی کس نے، کب اور کیوں خلاف ورزی کی؟ — شاید اس وضاحت کے تصور سے دل دھڑکتا، کبچہ پھڑکتا اور دم گھٹتا ہوگا۔ — اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو :-

اے چشمِ اشک بار ذرا دیکھ تو سہی !
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

فتنہ وہابیت کی تخم ریزی :- شاید مذکورہ امور کی وضاحت

سے ملک صاحب شرارتے اور بچکچاتے ہیں۔ اسی لئے الزامات تو پوری راز داری سے اند کرتے چلے گئے لیکن کھلے نہیں۔ حالانکہ ناپختہ لگی تو گھونگھٹ کیسا؟ —

دریں حالات یہ طویل اور دردناک داستان اختصار کے ساتھ سنانے کی سعادت رقم الحرم حاصل کر لیتا ہے تاکہ ملک صاحب کے الزامات مدلل ہو جائیں اور جس فریق نے حکومت کے اشارے پر فرقہ سازی اور فتنہ پروری کا ناپاک کھیل کھیلا ہو وہ اپنی روش پر نظر ثانی کر سکے۔ وباللہ التوفیق۔

حقیقت یہ ہے کہ متحدہ ہندوستان میں فرقہ سازی اور گروہ بندی کا سنگ بنیاد انگریزوں نے اپنی ضرورت کے تحت مولوی محمد اسماعیل دہلوی سے رکھوایا کیونکہ مقدس سرزمین عرب میں وہاں بیت کا فتنہ کامیاب ثابت ہو چکا تھا۔ موصوف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء) کے بھتیجے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء) کے پوتے تھے۔ اس خاندان عالی شان کی ملک کے گوشے گوشے اور بیرونی ممالک میں بھی شہرت تھی۔

مولوی محمد اسماعیل دہلوی بڑے منجھے، جوشیلے، جدت پسند، آزاد منش اور منہ زور تھے لہذا برٹش گورنمنٹ کی نگاہ انتخاب ان پر پڑ گئی اور من تو شدم تو من شدی والا معاملہ ہو گیا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے داماد مولوی عبدالرحی دہلوی (المتوفی ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۸ء) میرٹھ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم تھے، کچھ بعید نہیں کہ معاملہ ان کی معرفت پایہ تکمیل کو پہنچا ہو۔ بہر حال موصوف نے نیا دین رائج کرنے اور برطانوی مفادات کے تحفظ کی خاطر جینے مرنے کا عہد کر لیا تھا، جس پر ان کی باقی زندگی شاہد ہے۔

موصوف نے جب مال و جاہ کی خاطر اپنے خاندانی مذہب کو چھوڑ کر، سوادِ اعظم اہلسنت و جماعت سے منہ موڑ کر اصلاح کے نام پر محمد بن عبدالوہاب نجدی کے دین کی تبلیغ شروع کی تو مسلمانوں نے دیکھا کہ موصوف کی زبان پر توحید کا مفہوم وہی آتا ہے جو نجدی فیکٹری میں ڈھلا ہے اور شرک و بدعت کی تعریفیں وہی کی جا رہی ہیں جن سے خارجیت کا دنیا میں نام چلا ہے۔ اہلسنت و جماعت کے ایک مشہور و معروف گھرانے کا فرد جب بر ملا اپنے مذہب کی تردید اور وہابیت و

خارجیت کی تائید و تبلیغ کرنے لگا تو اس کا فطری نتیجہ یہی تو نکلنا تھا کہ مسلمانوں میں ملجلی
 مچی، جا بجا چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے کہ
 یہ کیسا انقلاب آگیا؟ جو خاندان مذہب اہلسنت و جماعت کی خدمت میں بڑھ چڑھ
 کر حصّہ لے رہا تھا اسی گھر کا یہ نوجوان عالم کس طرح اپنے مذہب کو مٹانے پر آمادہ ہو گیا؟
 دوست احباب نے ٹوکا، استادوں اور بزرگوں نے سمجھایا تو کہیں خاموشی، کہیں ٹال مٹول
 بچوں کا کہنا سرماختے رہا لیکن ہمیشہ پر نالہ اسی جگہ رکھا کیونکہ اندرون خانہ اپنا محمدی گروہ
 بنایا جا رہا تھا۔ اسی قبیلے کے ایک صاحبِ قلم مرزا حیرت دہلوی نے اس حیرت انگیز
 طرزِ عمل کا انکشاف یوں کیا ہے:-

”آپ نے پہلے چند بڑے بڑے بدمعاشوں کے سرغنوں کو اپنی جادو بھری
 تقریر سنا کے مرید کیا اور انہیں اپنا ایسا معتقد بنایا کہ وہ اپنی جان قربان
 کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ مصلحت اس کی مقصدی تھی کہ یہ کاروائی کی جائے
 کیونکہ دن بدن مخالفت کی آگ بھڑکتی جاتی تھی۔“

یہ بھتی مولوی محمد اسمعیل دہلوی کے محمدی گروہ کی خشتِ اول اور یہ بھتی امامِ اوماہیہ
 کے قدسی صفات اعیان و انصار، جن کے تقویٰ و طہارت اور خلوص و للہیت پر
 موجودہ وہابی حضرات جس قدر بھی چاہیں فخر کر سکتے ہیں اور چاہیں تو انہیں صحابہ کرام
 سے بھی اُوپر درجہ دے سکتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ
 اپنے ہی جدِ امجد شاہ ولی اللہ اور عمِّ محترم شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے لاکھوں
 مریدین و تلامذہ اور اس خاندان کے جملہ بااثر افرادِ حسی کہ اپنے بھائیوں کو بھی چھوڑ کر،
 سب سے منہ موڑ کر امامِ الطائفہ کو بدمعاشوں کے سرغنوں کو اپنے ساتھ رکھنا، انہیں
 اپنا یار و مددگار اور غمخوار و غمگسار بنانے، ان سے استمداد و استعانت کرنے کی ضرورت
 کیوں محسوس ہوئی؟ کیا شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز و غیرہ بزرگوں کے تربیت یافتہ
 افراد بھی بدعتی اور مشرک بھنے؟ اور سچے اور سچے مسلمانوں کو چھوڑ کر بدمعاشوں اور

۱۔ حیاتِ طیبہ، مطبوعہ لاہور، ص ۵۸

اُن کے سرغنوں کو ساکت لے کر محمدی گروہ کیوں بنایا گیا؟
 مسلمانوں کے سوا اعظم اہلسنت وجماعت اور اپنے خاندانی بزرگوں کے مریدین و
 متعلقین سے قطع تعلق کرنے کی یہی وجہ تو تھی کہ خاندانی مذہب کو خیر باد کہہ کر اُسے
 کفر و شرک ٹھہرا کر، سنیوں کو بدعتی و مشرک بنا کر اپنا علیحدہ فرقہ بنانا پڑا۔ یوں جملہ علماء و
 مشائخ اور اُن کے فیض یافتہ افراد کو کافر و مشرک لیکن بد معاشوں کے سرغنوں کو موحد و
 مومن قرار دے کر گلے کا ہار بنایا۔ — بد معاشوں کے سرغنوں سے استعانت کرنے
 اور اُن کی دوستی کا دم بھرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موصوف نے اللہ رب العزت
 کے دوستوں سے استعانت و استمداد کرنے اور اُن کی تعظیم بجالانے کو کفر و شرک قرار
 دیا تھا تو قدرت نے دکھا دیا کہ جو گردن انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی تعظیم کیلتے
 نہیں جھک سکتی اس کو دُنیا میں بھی یہ سزا ملتی ہے کہ ذلیل ترین انسانوں کے سامنے
 سجدہ ریز ہونا اور انہیں اپنا آقا و مولیٰ بنانا پڑتا ہے۔ اُن کے مقابلے پر اَنَا خَيْرٌ
مِنْهُ کہنے والا ہر کوئی اسی راستے سے گزرتا ہے۔ — دہلوی صاحب
 موصوف کے سوانح نگار، مرزا حیرت دہلوی نے اسی سلسلے کی اگلی کڑی کا یوں
 ذکر کیا ہے:-

” اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ کئی برس تک پیارے شہید کے معتقدین
 اتنے کم رہے جن کا شمار انگلیوں پر ہو سکتا تھا، مگر اس ناکامی سے
 کسی قسم کی دل شکنی مولانا شہید کو حاصل نہ تھی۔“ لے
 دہلوی صاحب کے معتقدین کا کئی برس تک انگلیوں پر گنا جانا اور اُن
 چند افراد کی جماعت کا نام محمدی گروہ رکھنا یہی تو ظاہر کرتا ہے کہ اپنے خاندان، خاندانی
 بزرگوں کے مریدین و معتقدین، احباب و تلامذہ اور متحدہ ہندوستان کے سارے
 مسلمانوں سے موصوف نے اپنا تعلق ختم کر لیا تھا، انہیں کافر و مشرک بنا کر اُن
 کے مقابلے میں اپنا محمدی گروہ بنایا جا رہا تھا۔ — کیا متحدہ ہندوستان میں

یہ فرقہ بازی کا سنگِ بنیاد نہیں؟ کیا یہ اس ملک میں فرقہ سازی کی ایجاد نہیں؟
 — کیوں ملک صاحب! اس سرزمین میں محمدی گروہ کے نام سے سب سے
 پہلا فرقہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بنایا تھا یا مولوی محمد اسماعیل
 دہلوی نے؟ کلبجے پر ہاتھ رکھ کر خود اپنی زبانی کچھ تو آج بتا دیجئے ورنہ کل جب
 بروز قیامت اقرار کیا تو کس کام کا؟ مانا کہ آپ کے محمدی گروہ کی توحید آج تثلیث
 کی قائل ہو گئی ہے یعنی ایک فرقے کی تین شاخیں ہو گئی ہیں۔ ہر شاخ بھی آج ایک
 مستقل فرقہ ہے یعنی (۱) اہلحدیث (۲) دیوبندی (۳) جماعت اسلامی —
 خدا را مان بھی جائیے کہ اس ملک میں سب سے پہلا فرقہ مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے
 بنایا۔ انہوں نے ہی قدیم مسلمانوں کو مشرک ٹھہرایا اور ان کو خارجیت کا زہر پلانے
 کے لئے وہابیت کا چکر چلایا — جب موصوف وہابیت کے مبلغ بنے، نئے
 مذہب کا پرچار کرنے لگے تو مسلمانوں کے جذبات ان سراسر غیر اسلامی عقائد و نظریات
 پر بھڑکے اور یہ ایک فطری بات تھی۔ اس صورت حال نے گل کھلایا اس کا ذکر یوں
 مرزا حیرت دہلوی کے نوکِ قلم پر آیا ہے۔

”جب اس قسم کے دغظ ہونے لگے تو دوچار جگہ لاکھٹی بھی چل گئی

کیونکہ اب محمدیوں کا گروہ بھی بڑھتا جاتا تھا“ لے

محمدی گروہ کی ترقی کے بارے میں اس عبارت کا مطالعہ بھی فائدے سے خالی نہیں

”پیارے شہید ہزاروں بلکہ لاکھوں کی زبان سے یہ نکلوا دیا کہ ہم

محمدی ہیں۔ چاروں طرف سے آوازیں بلند ہو رہی تھیں کہ اس ضلع میں

اتنے محمدی آباد ہیں اور اس ضلع میں اتنی تعداد اسلامیوں کی ہے“ لے

وہابیت کا یہ خاصہ ہے کہ جو اس بیماری کا شکار ہو جائے اس کی نظر میں

مسلمان تو مسلمان ہی نہیں رہتے بلکہ سارے کے سارے کافر و مشرک نظر آنے

لے حیاتِ طیبہ، مطبوعہ لاہور، ص ۹۹

لے ایضاً: ص ۲۳۸

گتے ہیں۔ اُس وقت بھی وہابی افراد ہی کو اسلامیوں کی تعداد شمار کیا جاتا تھا اور آج بھی یہی ذہنیت کار فرما ہے۔ اس لئے ان لوگوں کو اگر کہیں ذرا بھی تسلط حاصل ہو جاتا ہے، گنجے کو ناخن مل جاتے ہیں تو مسلمانوں پر قیامت ڈھا دیتے ہیں۔ سخت توحید کی آرٹ میں مسلمانوں کے مال و جان اور تنگ و ناموس پر دن دھاڑے ڈاکہ ڈالنا ان کے مذہب کا رکنِ اعظم ظاہر ہونے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ان کی اسلام دشمن ذہنیت کے شر سے محفوظ و مامون رکھے، آمین — وہابیت کو ولی اللہی مکتبہ فکر بنانے والوں کو یہ تاریخی حقائق سامنے رکھنے چاہئیں۔ مزید تسلی کے لئے دیوبندی حضرات کے حکیم الامت جناب مولوی اشرف علی صاحب تھانوی (المتوفی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء) کا یہ بیان بھی مد نظر رہے :-

”مولانا اسماعیل شہید نوحد بھتے، چونکہ محقق تھے، چند مسائل میں اختلاف کیا اور مسلکِ پیرانِ خود مثل شیخ ولی اللہ و غیرہ پر انکار فرمایا۔“ لے

نیز اپنے خاندانی بزرگوں کے مسلک سے انکار کی کہانی تھانوی صاحب کی زبانی مزید سن لیجئے وہ فرماتے ہیں :-

”شاہ عبدالقادر نے مولوی محمد یعقوب کی معرفت مولوی محمد اسماعیل صاحب سے کہہ دیا تھا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو اس سے خواہ مخواہ فتنہ ہوگا۔ جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے مولوی محمد اسماعیل صاحب سے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جائے تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے۔ من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شہید۔ کیونکہ جو کوئی سنتِ متروکہ اختیار کرے گا عوام میں ضرور شورش ہوگی۔ مولوی محمد یعقوب صاحب نے عبدالقادر صاحب سے اس کا جواب بیان کیا۔ اس کو سن کر شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا: ”بابا! ہم تو سمجھتے تھے کہ اسماعیل عالم ہو گیا مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہیں سمجھتا۔ یہ

لے امداد المشتاق، مطبوعہ لاہور، ص ۷۹

حکم تو اُس وقت ہے جبکہ سنت کے مقابل خلاف سنت ہو اور ما نحن
فیہ میں سنت کا مقابل خلاف سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے۔

تھانوی صاحب کی اس عبارت سے امام الوہابیہ کے محقق ہونے کا راز بھی کھل گیا
بہر حال ان حالات میں خود مولوی محمد اسمعیل دہلوی کے چچا زاد بھائی مولانا مخصوص اللہ
دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء) بن شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
(المتوفی ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۶ء) نے تقویۃ الایمان کے رد میں معید الایمان کتاب لکھی اور اسے
خلاف دین و ایمان ثابت کر دیا۔ نیز ان کے چھوٹے بھائی یعنی مولانا محمد موسیٰ دہلوی رحمۃ اللہ
علیہ نے بھی تقویۃ الایمانی خرافات کا رد فرمایا اور اس کے عقائد و نظریات کو اپنے خاندانی بزرگوں
کی تصانیف کی روشنی میں غلط ثابت کیا۔ شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہما سے
عقیدت رکھنے والوں اور ان کے مرید و شاگرد علماء اور دیگر علمائے اہلسنت نے انہیں خوب
سمجھایا بھجایا اور باز نہ آئے تو ہر ایک نے تقویۃ الایمان کا رد لکھا۔ اس کے رد میں لکھی جانے
والی کتابوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی۔ گویا یہ فتنہ کی ایک چنگاری تھی جس نے پورے ملک
میں آگ لگادی تھی۔

رد و تردید کا بازار گرم ہونے سے پہلے مولوی محمد اسمعیل دہلوی کے بھائیوں اور شاہ عبدالعزیز
محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی وارثوں نے مولوی محمد اسمعیل دہلوی اور مولوی عبدالحمی دہلوی
کو سمجھانے بھگانے اور راہ راست پر لانے کی خاطر دہلی کی جامع مسجد میں ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ
کو ایک مجلس مناظرہ و مباحثہ منعقد فرمائی تھی۔ یہ پاک و ہند کی زمین پر ہونے والا سب سے
پہلا سنتی دہلی مناظرہ تھا۔ جس میں امام الوہابیہ صاحب لکم دینکم و لی دین کہہ کر
راہ فرار اختیار کر گئے تھے۔ یہ فرقہ سازی کی کہانی کا پہلا حصہ اور حرف آغاز ہے۔

اینگلو انڈین علماء ساز فیکٹری - جب مولوی محمد اسمعیل دہلوی ۱۲۴۶ھ

۱۰ بوار النوار، مطبوعہ دیوبند، ص ۲۶۹

۱۰ النوار آفتاب صداقت، جلد اول، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء، ص ۵۱۳، ۵۱۴

۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ کے اندر کھیت رہے۔ جن مسلمانوں کے مال و جان اور ننگے دناؤں کو رات دن لوٹ رہے تھے ان کے ہاتھوں کیفرِ کردار کو پہنچ گئے اور ساتھ ہی برطانوی مفادات و ضروریات پر پرہ دینے والا یہ نام نہاد مجاہدین کا جھگڑا بھی ٹھکانے لگ گیا تو نوزائیدہ وہابیت نیم جان ہو کر رہ گئی۔ محمدی گروہ کا ننھا مٹا لیکن فتنہ باز پودا اگلانے لگا تو برٹش گورنمنٹ کو اپنے اس خود کاشتہ پودے کی بربادی پر اپنی ضرورت کے تحت ترس آ گیا۔

قیادت مولوی محمد اسحاق دہلوی (المتوفی ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۵ء) کے سر پر رکھ دی، کیونکہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین یہی بنے تھے۔ مولوی محمد اسحاق صاحب بڑے خاموش طبع اور صلح کل واقع ہوئے تھے۔ لاپٹھ اور خون کے تحت ہاں تو کرنی، وہابیت کی تھوڑی بہت، دہلی چھٹی تائید و حمایت تو کرتے رہتے تھے لیکن وہابی ہونے کا اپنی ذات پر دھبہ نہیں لگوانا چاہتے تھے۔ دریں حالات موصوف نے گلو خلاصی کی سوچی اور اپنے مقصد کے علماء کا بورڈ مقرر کر کے خود سر زمینِ حجاز کی جانب ہجرت فرما گئے۔

مذکورہ بورڈ کے صدر مولوی مملوک علی نانوتوی (المتوفی ۱۲۶۴ھ / ۱۸۵۱ء) بنائے ۱۲ گئے تھے، جو دہلی کالج میں شعبہ عربی کے صدر مدرس تھے۔ موصوف کی زیر نگرانی برٹش گورنمنٹ نے بڑی رازداری کے ساتھ اینگلو انڈین علماء کی کھیپ تیار کر دائی اور انہیں جلدی سے جلدی نئے نظامِ تعلیم میں منسلک کر دیا گیا تاکہ وہ مسلمانوں کو حکومت کی منشا کے سانچے میں ڈھال دیں۔ اس زندہ حقیقت کو دیوبندی حضرات کی ترجمانی کرنے والے جناب پروفیسر محمد ایوب قادری کے اس بیان کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے۔

”مولانا مملوک علی کے صدر مدرس ہونے کی وجہ سے دہلی کالج کی تعلیمی سرگرمیاں یقیناً آگے بڑھیں اور مسلمانوں کی ایک ایسی کھیپ تیار ہوئی جس نے نظامِ تعلیم میں منسلک ہو کر خاطر خواہ خدمات انجام دیں۔ مولانا محمد منظر (مدرس آگرہ کالج)، مولانا محمد منیر (مدرس بریلی کالج)، مولانا محمد احسن (مدرس بنارس و دہلی کالج)، مولانا ذوالفقار علی دیوبندی (مدرس بریلی کالج و ڈپٹی انسپکٹر مدرس)، مولانا فضل الرحمن دیوبندی (ڈپٹی انسپکٹر مدرس) تو خاص ان (مولانا مملوک علی) کے اعزہ و اقارب ہیں۔ ان کے علاوہ شمس العلماء ڈپٹی شیخ ضیاء الدین

ایل۔ ایل۔ ڈی۔ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ، شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد (ف ۱۹۱۲ء) شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد (ف ۱۹۱۰ء)، پیرزادہ محمد حسین (سیشن جج)، خواجہ محمد شفیع (جج)، خان بہادر میر ناصر علی (ف ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء) مولوی کریم الدین پانی پتی (ف ۱۸۷۹ء) مولوی جعفر علی (ف ۱۳۱۴ھ) وغیرہ بہت سے ایسے حضرات ہیں جو اسی دہلی کالج کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ ہیں اور کم و بیش ان تمام حضرات نے نئے تعلیمی نظام میں منسلک ہو کر نمایاں خدمات انجام دیں اور گورنمنٹ نے بھی ان کی خدمات کو سراہا اور حُسنِ معاملہ سے نوازا۔ لے جب مذکورہ پرزوں کو گورنمنٹ نے اپنی فیکٹری (دہلی کالج) میں عین اپنے مقصد کے مطابق ڈھالا تھا تو یقیناً انہوں نے برطانوی پالیسی کو کامیاب بنانے اور برٹش مفادات کے تحفظ میں کوششیں کیں اور اس کے بالمقابل گورنمنٹ کا ان کی خدمات کو سراہنا اور حُسنِ معاملہ یعنی وظیفوں اور خطابوں وغیرہ سے نوازنا بھی کاروباری معاملے کے تحت فطری بات تھی۔ جو پرزہ دہلی کالج کی برطانوی فیکٹری میں ڈھل کر تیار ہو جاتا فوراً اُسے ایسے مقام پر فٹ کر دیا جاتا تھا جہاں اُس کے منسلک ہو جانے کو گورنمنٹ ضروری یا مناسب سمجھتی تھی۔ اس لئے ان حضرات کو برٹش گورنمنٹ کے کارندے بننے اور طلبِ معاش میں نکلنے کی ذرا سی زحمت بھی گوارا نہیں کرنا پڑتی تھی۔ اس سلسلے میں پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری نے اپنے تاثرات یوں بیان کئے ہیں :-

”ان حضرات کے سرکاری اداروں میں تقرر کے لئے دہلی کالج میں تعلیم حاصل کرنے کو بھی ایک قسم کی سند خیال کیا گیا اور یہ سمجھا گیا ہو گا کہ یہ حضرات دہلی کالج کے ذریعے طریقہ تعلیم وغیرہ سے واقف ہو چکے ہیں۔ ورنہ اتنی آسانی سے قدیم طرز کے فارغ التحصیل علماء کو گورنمنٹ سرکاری سکولوں، کالجوں اور محکمہ کے ذمہ دار عہدوں پر مقرر نہیں کر سکتی تھی“ لے

لے مولانا محمد حسن نانوتوی، مطبوعہ کراچی، ص ۱۷۷

لے ایضاً : ص ۲۷

حضرات ہیں جن کا ہاتھ اس کے قیام میں بھی پوری طرح شامل ہے؛ اس امر کی کسی قدر وضاحت دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مہتمم، جناب قاری محمد طیب نے یوں فرمائی ہے:-

” اس بنا میں خصوصیت سے حضرت حاجی سید عابد حسین قدس سرہ، حضرت

مولانا ذوالفقار علی صاحب قدس سرہ اور مولانا فضل الرحمن صاحب قدس سرہ

قابل ذکر ہیں، جن کا ہاتھ ابتدا ہی سے تاسیس مدرسہ میں تھا۔ یہ حضرات

خصوصیت سے حضرت نانوتوی صاحب قدس سرہ کے دست و بازو

رہے ہیں اور بنا کے بعد بھی اس کی ذمہ دار مجلس کے رکن رکن کی حیثیت

سے مدرسہ کے تمام امور میں عملاً شریک رہے ہیں۔“ لے

بانیان مدرسہ میں دیوبندیوں کے شیخ الہند، مولوی محمود حسن دیوبندی (المتوفی ۱۹۳۹ھ/

۱۹۲۰ء) کے والد، مولوی ذوالفقار علی دیوبندی (المتوفی ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء) بھی تھے، جیسا

کہ مذکور ہو رہا ہے ایک عرصہ تک بریلی کالج میں مدرس رہے، پھر ڈپٹی انسپٹر مدارس بنائے

گئے تھے اور اسی عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے۔ لے

بانیوں میں سے دوسرے صاحب، علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی (المتوفی ۱۳۶۹ھ/

۱۹۴۹ء) کے والد مولوی فضل الرحمن صاحب دیوبندی (المتوفی ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۱ء) ہیں۔

یہ بریلی میں ڈپٹی انسپٹر مدارس کے عہدے پر فائز رہے تھے۔ ۱۸۵۴ء میں بھی یہ اسی

مستدرشد و ہدایت پر جلوہ افروز تھے۔ لے اہل ملک ان دنوں ایسے لوگوں کو

جو ڈپٹی انسپٹر مدارس کے عہدے پر فائز ہوں، کالے پادری کہا کرتے تھے۔

جب مولوی ذوالفقار علی دیوبندی اور مولوی فضل الرحمن صاحب اپنی مدت ملازمت

پوری کر کے ریٹائر ہوئے تو حکومت نے ان سے التجا کی ہوگی کہ ایک دینی مدرسہ قائم کر کے

اپنی خدمات کا سلسلہ جاری رکھیں۔ کیونکہ اس میں فریقین کا بھلا ہے، یعنی

لے بیس بڑے مسلمان، مطبوعہ لاہور، بار دوم ۱۹۶۰ء، ص ۲۶

لے مولوی محمد احسن نانوتوی، مطبوعہ کراچی، ص ۲۶، ۲۸، ۲۵

لے ایضاً: ص ۲۶

ہمارا کام ہو جائے، تمہارا نام ہو جائے

تمنا مختصر سی ہے مگر تمہیں طولانی

۷

یا اسی بات کو دیوبندی حضرات کی محتاط زبان میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان دونوں حضرات کو دینی مدرسہ قائم کرنے کا الہام ہوا۔۔۔ بہر حال ایک کھلے میدان میں انار کے درخت تلے مدرسہ دیوبند قائم ہو گیا۔ پہلے ہی سال بعض بیرونی ممالک کے طلبہ بھی اپنے اپنے ملک کو چھوڑ کر کھلے میدان میں پڑھنے کے لئے مدرسہ دیوبند میں داخل ہوئے۔ یونہی دن دوئی رات چوگنی ترقی ہوتی گئی۔۔۔ یہ مدرسہ کیوں قائم ہوا اور کن لوگوں نے قائم کیا؟ اس کے جواب میں مولوی عبدالحق صاحب قدوسی کا جواب یہ ہے۔

” ایسے میں چند ایسے حضرات میدان میں آئے جن کی پوری تربیت

گورنمنٹ کے تعلیمی اداروں میں ہوئی تھی اور سرکاری ملازمت میں رہ کر وہ

اپنے آپ کو گورنمنٹ کے وفادار ثابت کر چکے تھے۔ انہوں نے دیوبند میں

ایک عربی دینی مدرسہ ”دارالعلوم“ کی بنیاد رکھی۔ اوپر کے بیان کردہ پس منظر

میں دیکھا جائے تو دینی تعلیم کا یہ اہتمام گورنمنٹ انگریزی کی منشا اور پالیسی

کے مطابق تھا اور چونکہ اس پہلے دینی مدرسہ کے بانی اور صدر مدرس، دہلی

کالج کے تربیت یافتہ اور سرکاری ملازمت میں رہ کر گورنمنٹ کا مکمل

اعتماد حاصل کر چکے تھے۔ نیز یہ حضرات ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے سے

ریٹائر ہوئے تھے اس لئے قدرتاً انگریزی گورنمنٹ نے ان کی حوصلہ افزائی

فرمائی۔ بلکہ انگریزی ڈپلومیسی کی روشنی میں دیکھا جائے تو کوئی بعید نہیں کہ

اس مدرسہ کے قیام میں اس حکومت کا کسی طرح کا ایجا شامل ہو۔“ ۲

مدرسہ دیوبند کا سب سے پہلا صدر مدرس جس شخص کو بنایا گیا وہ مولوی مملوک العلی

نانوتوی کے صاحبزادے مولوی محمد یعقوب نانوتوی (المتوفی ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء) تھے۔

۱۷ بیس بڑے مسلمان، ص ۲۵

۱۸ ہفت روزہ، الاعتصام، لاہور، بابت ۲۳، اکتوبر ۱۹۷۰ء، ص ۶

دیوبندی مذہب سے تعلق رکھنے والے جناب پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں:-

جب ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ کو مدرسہ اسلامیہ دیوبند قائم ہوا تو مولانا محمد یعقوب صدر مدرس مقرر ہوئے۔ اُس وقت مولانا محمد یعقوب سرکاری ملازمت سے بسکدوش ہو چکے تھے، لہ

موصوف نے کن کن شہروں میں سرکاری فرائض انجام دیئے۔ پروفیسر موصوف نے اس کا تذکرہ یوں کیا ہے:-

”مولانا مملوک اعلیٰ کے صاحبزادے مولانا محمد یعقوب نانوتوی اجمیر کالج میں مدرس مقرر ہوئے، پھر بنارس، بریلی اور سہارن پور میں ڈپٹی انسپکٹر مدرس رہے، لہ

صدر مدرس، مولوی محمد یعقوب نانوتوی کے بارے میں ابجدیث عالم مولوی عبدالخالق قدوسی یوں لکھتے ہیں:-

”قیام مدرسہ کے بعد سب سے پہلے صدر مدرس کی حیثیت سے جس شخص کا تقرر ہوا وہ مولانا مملوک اعلیٰ کے صاحبزادے مولانا محمد یعقوب نانوتوی تھے۔ عجیب اتفاق ہے کہ بزرگ بھی ۱۸۵۷ء کے وقت اسی عمدہ پرفائز تھے۔ لہ

راہزن خضر رہ کی قبا چھین کر
رہنما بن گئے دیکھتے دیکھتے

برٹش گورنمنٹ نے جب اپنے پروردہ علماء یعنی انسپکٹروں سے یہ مدرسہ قائم کروا لیا تو چند سال بعد اس کا خفیہ معائنہ کروایا گیا تاکہ دیکھا تو جائے کہ جس مقصد کی خاطر اس مدرسے کا قیام عمل میں آیا تھا وہ حاصل بھی ہو رہا ہے یا نہیں؟ اس معائنے کے بارے میں پروفیسر محمد ایوب قادری یوں رقمطراز ہیں:-

۱۔ مولانا محمد احسن نانوتوی، مطبوعہ کراچی، ص ۱۹۲

۲۔ ایضاً: ص ۳۸

۳۔ ہفت روزہ، الاعتصام، لاہور، بابت ۹، اکتوبر ۱۹۷۰ء، ص ۶

”اس مدرسہ نے یوماً فیوماً ترقی کی۔ ۳۱ جنوری ۱۸۷۵ء بروز یکشنبہ، ایفٹنٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسٹر پامر نے اس مدرسہ کو دیکھا تو اُس نے نہایت اچھے خیالات کا اظہار کیا۔ اُس کے معائنے کی چند سطور درج ذیل ہیں: ”جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپے کے صرف سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ ممد و معاون سرکار ہے۔ یہاں کے تعلیم یافتہ ایسے آزاد اور نیک چلن (سلیم الطبع) ہیں کہ ایک کو دوسرے سے کچھ واسطہ نہیں۔ کوئی فن ضروری ایسا نہیں جو یہاں تسلیم نہ ہوتا ہو۔ صاحب! مسلمانوں کے لئے تو اس سے بہتر کوئی تعلیم اور تعلیم گاہ نہیں ہو سکتی۔ بلکہ میں تو یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ غیر مسلمان بھی یہاں تعلیم پاوے تو خالی نفع سے نہیں۔ اے صاحب! سنا کرتے تھے کہ ولایت انگلستان میں اندھوں کا مدرسہ ہے، یہاں آنکھوں سے دیکھا کہ دو اندھے تحریر اقلیدس کی شکلیں کف دست پر ایسی ثابت کرتے ہیں کہ باید و شاید“ اے

گورنر کے خفیہ معتمد کا اچانک معائنہ کرنا آخر کیوں؟ ایک انگریز افسر نے مدرسہ دیوبند کی اور وہاں کی تعلیم و معلمین کی تعریف کیا اس وجہ سے کہ وہاں اسلام کی خدمت ہو رہی ہے؟ انگریز خدمت اسلام سے خوش ہوتے تھے یا اس کے استحصال میں سکون محسوس کرتے تھے؟

یقیناً تعریف اسی لئے کی گئی ہوگی کہ برٹش گورنمنٹ کے استحکام کی جڑیں پاتاں تک پہنچانے کا جو کام علی گڑھ، قادیان، دہلی اور لاہور میں ہو رہا تھا، یہ مدرسہ بھی کمال رازداری کے ساتھ وہی خدمت انجام دینے میں مصروف ہے۔ اسی مقصد کی خاطر گورنر نے معائنہ کروایا ہوگا، ورنہ کہاں ایک اسلامی مدرسہ اور کہاں حکومت کی جانب سے اس کی کارکردگی کا جائزہ؟ خود مسٹر پامر کا یہ اعتراف کہ، ”یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ ممد و معاون سرکار ہے“ حکومت کے مقاصد اور مدرسے کی پوری سے کارکردگی کا راز فاش کر دیتا ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب، قدوسی نے اسی فقرے

اے مولانا محمد احسن نانوتوی، مطبوعہ کراچی، ص ۲۱۷

کے بارے میں اپنی رائے یوں ظاہر کی ہے :-

۱۸۶۵ء میں بننے والے اس دینی مدرسہ نے جذبہ جہاد کو سرد کرنے کے لئے اہم کردار ادا کیا اور ہماری رائے میں یہی وہ خدمتِ جلیلہ ہے جسے مسٹر پامر اپنے الفاظ میں کہہ رہے ہیں کہ یہ مدرسہ مدد و معاونِ سرکار ہے۔“ لے

دل کے پھوپھو لے جل اٹھے سینے کے داغ سے

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

قیام مدرسہ دیوبند کے چھ ماہ بعد اسی مقصد کے تحت سہارن پور میں دوسرا دینی مدرسہ مظاہر العلوم کے نام سے رجب ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۵ء میں قائم کر دیا گیا۔ اس مدرسہ کے پہلے شیخ الحدیث مولوی محمد منظر نانوتوی (المتوفی ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء) تھے۔ موصوف بھی مولوی مملوک العلی نانوتوی کے شاگرد، قریبی عزیز اور دہلی کالج کے تربیت یافتہ تھے۔ اگرہ کالج میں تعلیمی خدمات انجام دیتے تھے۔ ریٹائر ہونے پر انہیں بھی دینی مدرسہ قائم کرنے کا الہام ہوا ہوگا۔

اس مدرسہ میں مولوی محمد منظر نانوتوی روح رواں تھے اور ان کا دستِ راست خود ان کا حقیقی بھائی مولوی محمد منیر نانوتوی تھے۔ یہ بھی دہلی کالج کے تربیت یافتہ اور مولوی مملوک العلی کے شاگرد تھے۔ قبل ازیں بریلی کالج میں تعلیمی خدمات انجام دیتے تھے۔ ریٹائر ہونے پر یہ دو سال مدرسہ دیوبند کے مہتمم بھی رہے تھے۔

موصوف کے ایک بھائی کا نام مولوی محمد احسن نانوتوی (المتوفی ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۳ء) ہے۔ یہ صاحب بھی دہلی کالج کے فیض یافتہ تھے۔ بنارس کالج اور بریلی کالج میں سرکاری فرائض ادا کئے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے وقت یہ بریلی میں ہی رونق افروز تھے۔ اور اس وقت ایک جلسہ عام کے اندر انہوں نے تقریر کرتے ہوئے برٹش گورنمنٹ

۱۔ ہفت روزہ، الاعتصام، لاہور، بابت ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۰ء، ص ۶

۲۔ مولانا محمد احسن نانوتوی، مطبوعہ جاوید پریس کراچی، ۱۹۶۶ء، ص ۱۵۴

۳۔ ایضاً : ص ۱۵۸

۴۔ ایضاً : ص ۳۹

نے خلاف بغاوت کرنے اور مہتیار اٹھانے کو خلافِ قانون قرار دیا تھا۔ — یہ ہے مدرسہ دیوبند اور مدرسہ مظاہر العلوم، سہارن پور کے قیام اور قائم کرنے کی مختصر سی کہانی خود وہابی مصنفین کی زبانی۔ گویا:۔

انہیں کی محفل سنوا تا ہوں، چراغ میرا ہے رات ان کی
انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں، زبان میری ہے بات ان کی

امام الوہابیتہ کمپنی کی برٹش نوازی

امام الوہابیتہ، ان کے وحی و عصمت والے امیر المؤمنین اور بعض ان وہابی عمائد کے برٹش گورنمنٹ کے بارے میں تاثرات و جذبات پیش کر دئے جائیں جن کا آئندہ سطور میں تفصیلی ذکر نہیں ہے۔ — چنانچہ مولوی محمد اسماعیل دہلوی کے عاشق زار، سوانح نگار، مرزا حیرت دہلوی نے ان کے پیر و مرشد جناب سید احمد صاحب بریلوی کے بارے میں یہ واقعہ بھی سپردِ قلم کیا ہے:۔

”۱۲۳۱ھ تک سید احمد صاحب امیر خاں کی ملازمت میں رہے۔ مگر ایک ناموری کا کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خاں کی صلح کرادی اور آپ ہی کے ذریعہ سے جو شہر بعد ازاں دئے گئے اور جن پر آج تک امیر خاں کی اولاد حکمرانی کرتی ہے، دینے طے پائے تھے۔ لارڈ ہیسٹنگ، سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک نیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خاں، لارڈ ہیسٹنگ اور سید احمد صاحب۔ سید احمد صاحب نے امیر خاں کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اتارا۔“ لے

نواب امیر خاں جیسے انگریزوں کے طاقتور حریف اور وسط ہند میں بھڑے ہوئے شیر کو حریف سے انگریزوں کا حلیف بنا دیا۔ یہ سید احمد صاحب کی برٹش نوازی کی

لے حیات طیبہ، مطبوعہ لاہور، ص ۳۶۱

وہ انتہائی حد ہے جس کا اندازہ اہل عقل و دانش ہی کر سکتے ہیں۔ اگر سید احمد صاحب انگریزوں کی خیر خواہی میں دُور نہ نکل گئے ہوتے تو انہیں انگریزوں کے دشمن، نواب امیر خاں کو شیشے میں اتارنے کی ضرورت ہی کیا بھتی؟ اگر سید احمد صاحب کی نواب کے ہاں ملازمت، اثر و رسوخ پیدا کرنے اور نواب تک باریابی کی کوششوں کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارے واقعات اسی سلسلے کی ابتدائی اور پراسرار کڑیاں ہیں۔ تقدس کے لبادے میں یہ ساری کارگزاری کچھ اور ہی نظر آتی ہے۔

اسی طرح جب سید احمد صاحب اپنے پراسرار جہاد کی تیاریوں میں پوری طرح مصروف تھے تو کسی نے اُن سے پوچھا کہ آپ اتنی دُور بسنے والے سکھوں سے تو جہاد کرنا چاہتے ہیں لیکن اُن انگریزوں سے لڑنے کی بات کیوں نہیں کرتے جو ہمارے گھر پر قابض ہیں، جنہوں نے ہماری آزادی سلب کر کے ہم سب کو اپنا غلام بنایا ہوا ہے۔ موصوف نے جو جواب دیا وہ مولوی محمد جعفر نقانیرسی کے لفظوں میں یوں ہے۔

”انگریزی سرکار کو منکرِ اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کوئی ظلم و تعدی نہیں کرتی اور نہ اُن کو فرائض مذہبی اور عبادتِ لازمی سے روکتی ہے۔ ہم اُن کے ملک میں علانیہ وعظمتے اور تردیحِ مذہب کرتے ہیں، وہ کبھی مانع و مزاحم نہیں ہوتی۔ بلکہ ہم پر اگر کوئی زیادتی کرتا ہے تو اُس کو سزا دینے کو تیار ہیں۔ ہمارا اصل کام اشاعتِ توحیدِ الہی اور احیائے سننِ سید المرسلین ہے، سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں۔ پھر ہم سرکارِ انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور اصولِ مذہب کے خلاف بلاوجہ طرفین کا خون گراویں“ لے

سید احمد صاحب نے حکومت کے بارے میں جو کچھ فرمایا، اُس میں سے اگر ان چند جملوں کی تہ میں جھانک کر دیکھا جائے کہ: — ”مسلمانوں پر کوئی ظلم و تعدی نہیں کرتی — ہم اُن کے ملک میں — ہم سرکارِ انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں — اور اصولِ مذہب کے خلاف بلاوجہ طرفین کا خون گراویں“ —

لے حیات سید احمد شہید، مطبوعہ کراچی، ص ۱۷۱

تو ان کی تہ میں محبت و عقیدت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آتا ہے۔ گویا۔

ملا کو جو مسجد میں ہے سجدے کی اجازت

ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

موصوف کی انگریز دوستی اور برٹش نوازی کہاں تک پہنچ گئی تھی۔ اس بارے میں

تھانیسری صاحب نے یہ وضاحت فرمائی تھی جس پر ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء تک تو کسی

دہائی مولوی نے اعتراض کیا نہ تھا۔ وہ بیان یہ ہے :-

”اس سوانح اور مکتوبات کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سید صاحب کا انگریزی

سرکار سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہ تھا۔ وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے۔

اور اس میں شک نہیں کہ اگر انگریزی سرکار اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان

سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی مگر سرکار انگریزی اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ

سکھوں کا زور کم ہو۔“ لے

پچھلی عبارت میں اگر کچھ کمی رہ گئی ہو تو اس عبارت نے وہ بھی پوری کر دی۔ معلوم ہو

گیا کہ سید احمد صاحب فنا فی النصارى ہو کر کرسی اقتدار کے اتنی محبت و عقیدت

سے پجاری ہو گئے تھے کہ انہیں حکومت کی ہر چیز اپنی اور اپنی ہر چیز حکومت کی نظر آنے

لگی تھی، یعنی ایک جان اور دو قالب یا من تو شدم تو من شدم، من تن شدم، تو جان

شدم والا معاملہ ہو کر رہ گیا تھا، اسی لئے تو انگریزی عملداری انہیں اپنی ہی عملداری نظر آتی

تھی اور یہ ملک موصوف کو انگریزوں کا ملک نظر آتا تھا۔

اب متحدہ ہندوستان میں فرقہ سازی کے بانی، مولوی محمد اسماعیل دہلوی آبنجانی

کی انگریز دوستی کی رام کہانی بھی ملاحظہ فرمائی جائے۔ انگریزوں سے جہاد کرنے کے

بارے میں موصوف کا نظریہ ایک واقعہ کے تحت سرسید احمد خان صاحب نے یوں

بیان کیا ہے :-

” ایک مرتبہ وہ کلکتہ میں سکھوں پر جہاد کا وعظ فرما رہے تھے۔ اثنائے

لے حیات سید احمد شہید، مطبوعہ کراچی، ص ۱۷۱

دعظ میں کسی شخص نے اُن سے دریافت کیا کہ تم انگریزوں پر جہاد کا دعظ کیوں نہیں کہتے؟ وہ بھی تو کافر ہیں۔ اس کے جواب میں مولوی محمد اسمعیل صاحب نے فرمایا کہ انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کو کچھ اذیت نہیں ہوتی اور چونکہ ہم انگریزوں کی رعایا ہیں اس لئے ہم پر اپنے مذہب کی رُو سے یہ بات فرض ہے کہ انگریزوں پر جہاد کرنے میں ہم کبھی شریک نہ ہوں۔“ لے موصوف کا بتایا ہوا ایک فرض تو سرسید احمد خان صاحب کے ذریعے معلوم ہو گیا۔ دوسرے فرض کے بارے میں اُن کے سوانح نگار، مرزا حیرت دہلوی نے یوں وضاحت فرمائی ہے:-

”کلکتہ میں جب مولانا اسمعیل صاحب نے جہاد کا دعظ فرمانا شروع کیا ہے اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے، تو ایک شخص نے دریافت کیا، آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے جواب دیا، اُن پر جہاد کسی طرح واجب نہیں ہے۔ ایک تو اُن کی رعیت ہیں، دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست درازی نہیں کرتے۔ ہمیں اُن کی حکومت میں ہر طرح آزادی ہے۔ بلکہ اُن پر اگر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اُس سے لڑیں۔ اپنی گورنمنٹ پر آپخ نہ آنے دیں۔“ لے مولوی محمد اسمعیل دہلوی کے متبعین نے اس فتوے پر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے وقت صدقِ دل سے عمل کیا تھا۔ اکثر مقامات پر تو لا تعلق ہو کر بیٹھ گئے تھے اور جہاں موقع ملتا یا سکتا نظر آئی تو حریت پسندوں کے خلاف خوفِ نبرد آزمائی کی۔ انگریزوں کے اس ملک سے چلے جانے کے بعد وہابی علماء اور مورخین نے دہلوی صاحب کی نام نہاد تحریکِ جہاد کا رخ انگریزوں کی طرف پھیرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ تاریخ کے ساتھ مذاق اور انصاف کا خون کرنا ہے۔ ایسے ہی حضرات کے بارے میں مولوی محمد اسمعیل پانی پتی

لے ہنٹر پرنٹر، مطبوعہ لاہور، ص ۲۹

لے حیاتِ طیبہ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۲ء ص ۳۶۴

نے لکھا ہے:-

”سر سید نے اس مضمون میں یہ بات بار بار لکھی ہے کہ حضرت سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسمعیل شہید انگریزی حکومت کے ہرگز ہرگز مخالف نہ تھے اور نہ ہی انہوں نے کبھی ان کے خلاف جہاد کا اعلان کیا بلکہ سر سید کے اس بیان کی تائید بعد کے متعدد مورخوں نے بھی کی ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن نے ترجمانِ وہابیہ مطبوعہ امرتسر کے صفحہ ۲۱، ۸۸ پر، نیز سوانح احمدی مؤلفہ محمد جعفر تھانیسری میں بیس مقامات پر، اسی طرح حضرت شاہ اسمعیل کے سوانح موسوم حیاتِ طیبہ کے صفحہ ۱۸۹، ۲۹۲، ۲۹۳ پر اس خیال کو پیش کیا گیا ہے۔ مگر حال میں بعض اصحاب نے ان حقائق کے برخلاف یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ حضرت سید احمد رائے بریلوی اور حضرت شاہ اسمعیل کا اصل مقصد انگریزوں کے خلاف جہاد تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسے حضرات کا یہ بیان واقعات کے مطابق نہیں اور نہ اس دعوے کا کوئی واضح

ثبوت موجود ہے۔“ لے

ملک صاحب! آنجناب نے فرمایا تھا کہ:- اس فتنہ کی تخم ریزی گورنمنٹ برطانیہ نے کی۔ یہ سب کرشمے گورنمنٹ برطانیہ کے تھے۔ احقر آنجناب کے مجمل و مبہم ارشاد گرامی کی تائید و تفصیل میں بعض مزید چہروں پر پڑے ہوئے خوشنما نقابوں کو ہٹانے، ان بد نما چہروں کا اصل رنگ روغن اور خدو خال سب کو انتہائی دیانتداری اور پوری ذمہ داری کے ساتھ دکھانے کا مقدس فریضہ ادا کرتا ہے تاکہ بد دیانت قلم کاروں نے آج جو حق و باطل اور کھرے کھوٹے کو آپس میں خلط ملط کر دیا ہے اس کا ازالہ ہو جائے اور ایک انصاف پسند کے لئے ان کا امتیاز کرنا ایسا آسان ہو جائے جیسے وہ رات اور دن، سفید اور سیاہ، سونا اور مٹی میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ پہچان لیتے ہیں۔

لے. مقالاتِ سر سید، حصہ نہم، مطبوعہ لاہور، ص ۲۰۷

ہاں اُن حضرات کا معاملہ ہی اور ہے جو اپنے علماء کو یہود و نصاریٰ کی طرح اَدْبَانًا
مِنْ دُونِ اللّٰہ بنا کر، نہ صرف اُن کی عقیدت و محبت کے جال میں بال بال پھنسنے
ہوئے ہیں اور خدا پرستی کے نام پر حقیقت میں اُن لوگوں کی پرستش کی جا رہی ہے۔ اُن کے
ارشادات کو خواہ وہ سو فیصد بھی غلط کیوں نہ ہوں لیکن اُن کی صحت و صداقت پر ایڑی چوٹی
کا زور لگا دیا جاتا ہے۔ آیات و احادیث کے مفہوم و مطالب کو بھی توڑ مروڑ کر اُن کے
مطابق دکھا دیا جاتا ہے۔ ایسے حضرات سے نہ ہم مخاطب ہیں اور نہ اُن کا ہمارے پاس
کوئی علاج، کیونکہ دلوں کا پھیرنا مقلب القلوب کے ہاتھ میں ہے۔ واللّٰہُ یَهْدِی
مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ — لیکن، —

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ جس کو فکر ہو خود اپنی حالت کے بدلنے کا

ملک صاحب! یہ تو آپ حضرات بھی مانتے ہیں کہ وہ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ
علیہ (المتوفی ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) ہی تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی شروع
ہوتے ہی جہاد کا فتویٰ جاری کر دیا اور برسرِ اجلاسِ دہلی کی جامع مسجد میں علماء سے اُس
کی تصدیق و تائید کرنے کی اپیل کی تھی۔ اُسے علمائے اہل سنت نے تصدیق و تقاریظ
لکھ دیں۔ جو دہائی علماء بھرم رکھنے کی خاطر اُس وقت تصدیق کر بیٹھے تھے بعد میں وہ بھی
منحرف ہو گئے۔ اُس وقت سید احمد صاحب کے ایک مرید اور موصوف کی تخریکِ جہاد
کے سرگرم کارکن یعنی مولوی محبوب علی صاحب نے کیا پارٹ ادا کیا؟ اس کا جواب سر سید
احمد خان صاحب کے اس بیان میں ملاحظہ فرمائیے:-

”شاید اس مضمون کے پڑھنے والے اس عجیب بات کے سننے سے بھی
خوش ہوں گے کہ مولوی محبوب علی صاحب وہی شخص تھے جن کو ۱۸۵۷ء
میں باغیوں کے سرغنہ بخت خاں نے عین ہنگامہٴ غدر میں طلب کیا اور
اور اُن سے یہ درخواست کی کہ آپ اس زمانے میں انگریزوں پر جہاد

۱۷۰ باغی ہندوستان، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء، ص ۱۲۱

کرنے کی نسبت اپنے فتویٰ پر اپنے دستخط کریں۔ مگر مولوی محبوب علی نے صاف انکار کیا اور بخت خاں سے کہا۔ ہم مسلمان گورنمنٹ انگریزی کی رعایا ہیں۔ ہم اپنے مذہب کی رو سے اپنے حاکموں سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور طرہ بریں یہ ہوا کہ جو ایذا بخت خاں اور اس کے رفیقوں نے انگریزوں کی میموں کو دی تھی، اُس کی بخت خاں کو سخت لعنت ملامت کی۔ لے

سید احمد صاحب کے ایک نامور مرید اور خلیفہ مولوی کرامت علی جون پوری بھی تھے۔

۱۸۵۷ء میں جب متحدہ ہندوستان کے اکثر باشندے برٹش گورنمنٹ کے مظالم سے تنگ آکر بغاوت کا علم بلند کر چکے تھے۔ علمائے کرام نے اس تصادم میں حصہ لینے کو جہاد قرار دے دیا۔ حاکم و محکوم اور ظالم و مظلوم میں ملک گیر اور ایسا خوفناک تصادم ہو گیا تھا کہ فریقین میں سے ایک کی موت اور تباہی یقینی تھی۔ حریت پسندوں نے سردھڑ کی بازی لگائی ہوئی تھی۔ آزادی کی فضاؤں میں سانس لینے کے لئے اُن کا خون مچل رہا تھا۔ شمع آزادی کے پروانے اور لیلائے حریت کے مجنون و دیوانے ہونے کا قدم قدم پر وہ لوگ ثبوت پیش کر رہے تھے۔ آزمائش کے اُن ایام میں بھی مولوی کرامت علی صاحب اپنے پیرومرشد کی روش پر سختی سے قائم رہے اور اپنے پیشوا کی طرح انگریز کی حمایت میں ایک فتویٰ جاری کر کے اپنی انگریز پرستی کا انمٹ ثبوت پیش کر دیا تھا۔ مشہور مورخ ولیم ہنٹر نے اس فتوے کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے یوں اس کا ذکر کیا ہے:-

”یہ بڑا ہی مبارک واقعہ ہے کہ جس ضلع (جون پور) سے ہندوستان کے سب سے بڑے مسلمان بادشاہ (اکبر) کے خلاف بغاوت کا فتویٰ شائع ہوا تھا، اُس نے ایک ایسا عالم بھی پیدا کر دیا جس کا فتویٰ انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کو سختی سے منع کرتا ہے۔“ لے

مولوی محمد اسحاق صاحب دہلوی نے جب اپنا بھرم رکھنے کی خاطر ۱۲۵۷ھ /

لے ہنٹر پر ہنٹر، مطبوعہ لاہور، بار اول ۱۹۴۹ء، ص ۳۲

لے ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص ۱۷۳

۱۸۴۱ء میں حجاز مقدس کی جانب نکل جانے کے لئے رختِ سفر باندھا تو وہابی بیڑے کا مولوی مملوک اعلیٰ نانوتوی کو امیر البحر بنا گئے۔ موصوف کے ایڈمرل بننے کا حکومت نے بھی جشن منایا کہ یہ ۱۵، ۱۶ سال سے دہلی کالج میں نائب صدر کی حیثیت سے کام کرتے آرہے تھے لیکن ۸ نومبر ۱۹۲۱ء کو انہیں صدر مدرس بنا دیا گیا۔ چونکہ موصوف دہلی کالج میں شعبہ عربی کے صدر مدرس بن گئے تھے لہذا حکومت نے برٹش نواز علماء تیار کرنے کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی۔ چونکہ یہ حکومت کی منشا کے مطابق علماء کی خاطر خواہ کھیپ تیار کرتے رہتے تھے اس لئے انگریز افسر خواہ وہ کالج کے پرنسپل ہوں یا حکومت کے دوسرے کارندے، سب موصوف سے خوش اور ان کی کارکردگی سے پوری طرح مطمئن تھے۔ اس حقیقت کو پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری نے یوں سپرد قلم کیا ہے:

”دہلی کالج کے تمام انگریز پرنسپلوں کے وہ معتمد تھے۔ کالج کی رپورٹوں سے واضح ہوتا ہے کہ انگریز پرنسپل مولانا مملوک اعلیٰ پر بہت اعتماد کرتے تھے اور ہر سالانہ رپورٹ میں ان کی تعریف و توصیف کی گئی۔ ایک موقع پر گورنر جنرل بہادر نے مولانا مملوک علی کو انعام سے بھی نوازا۔ صورت یہ ہوئی کہ ۱۵ تا ۱۷ نومبر کو گورنر جنرل بہادر نے دہلی میں دربار کیا۔ ۱۷ نومبر کے دربار میں ۲۷ حضرات کو انعام و اکرام سے نوازا۔ مولانا مملوک علی مدرس اول کو خلعت سہ پارچہ مرحمت ہوا۔“ ۱

دہلی کالج کے فیض یافتہ، مولوی مملوک اعلیٰ کے شاگرد جناب مولوی سمیع اللہ دہلوی (المتوفی ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) بڑے چلتے پرزہ تھے۔ اپنی تربیت کا دل کھول کر کرشمہ دکھایا۔ مسلمانوں کے مفادات پر کاری ضربیں لگانے اور استعمار مغرب کو مضبوط و مستحکم کرنے میں خاصا نام پیدا کیا تھا۔ پروفیسر مذکور نے آپ کے کارناموں پر یوں روشنی ڈالی ہے:

” ۱۶ دسمبر ۱۸۸۴ء کو مولوی سمیع اللہ مصر میں انگریزوں کے استعمار کو مضبوط کرنے کی غرض سے پولیٹیکل مشن پر مہر گئے اور وہاں انہوں نے جمال الدین

۱۔ مولانا محمد حسین نانوتوی، مطبوعہ کراچی، ص ۱۷۳

۲۔ ایضاً: ص ۱۷۶

افتخانی کی تحریک کو نقصان پہنچایا۔ ان خدمات کے صلہ میں ان کو سی۔ ایم۔ جی کا خطاب ملا۔ لے

انہیں بھی تو دامن سے دھو ڈالیے گا

مرے خون کے کچھ نشاں اور بھی ہیں

اسی دہلی کالج کے تربیت یافتہ اور مولوی مملوک علی کے شاگردوں میں سے ایک مولوی ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی (المتوفی ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء) بھی تھے۔ موصوف کے سوانح نگار، یعنی افتخار عالم صاحب بگرامی نے برٹش گورنمنٹ کی سائنس میں ان کا ایک بیان یوں نقل کیا ہے:-

”شکر ہے کہ ہم رعایا بھی بنے تو ایسوں کی، جن کی عملداری میں ہم کو اپنی

(مسلمانوں کی) سلطنت سے زیادہ آرام و آسائش ہے۔“ لے

مولوی محمد احسن نانوتوی (المتوفی ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۲ء) بھی دہلی کالج کے تربیت یافتہ اور مولوی مملوک علی کے شاگرد تھے۔ یہ مظاہر العلوم کے نام سے سہارن پور میں اینگلو انڈین دینی مدرسہ قائم کرنے والے مولوی محمد مظہر نانوتوی (المتوفی ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء) اور مولوی محمد منیر نانوتوی (المتوفی غالباً ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء) کے چھوٹے بھائی تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے وقت یہ بریلی کالج میں سرکاری فرائض سرانجام دیتے تھے اور علامہ شبیر احمد عثمانی کے والد مولوی فضل الرحمن دیوبندی ان دنوں بریلی میں ڈپٹی انسپکٹر مدرس تھے۔ اس مسلح تصادم کے موقع پر بھی مولوی محمد احسن نانوتوی کی تمام تر ہمدردیاں برٹش گورنمنٹ کے ساتھ تھیں۔ چنانچہ اس کا ایک واقعہ پروفیسر محمد ایوب قادری نے یوں بیان کیا ہے:-

”۲۳ مئی ۱۸۵۷ء کو نماز جمعہ کے بعد مولانا محمد احسن نے بریلی کی مسجد نو محلہ میں مسلمانوں کے سامنے ایک تقریر کی اور اس میں بتایا کہ حکومت سے بغاوت کرنا خلاف قانون ہے۔ نواب بہادر خاں، کمشنر بریلی مسٹر ایگنزینڈر کے

۱۔ مولانا محمد احسن نانوتوی، مطبوعہ کراچی، ص ۱۸۴

۲۔ حیات نذیر، مطبوعہ شمس پریس دہلی، ص ۱۳۷

نظام بردگار تھے اور نواب صاحب پر کمشنر بریلی کو پورا اعتماد تھا۔ اس سلسلے میں ایک انگریز مؤرخ رقمطراز ہے۔ ”پہلی صدی کے محافظ (حافظ رحمت علی) کے پوتے خاں بہادر نے کمشنر بریلی کی کوشش کی پوری پوری تائید کی اور کالج (بریلی کالج) سے منسلک ایک مولوی (مولوی محمد احسن نانوتوی) نے مسجد میں تقریر کی اور اس میں بتایا کہ حکومت سے بغاوت کرنا خلاف شرع ہے۔“
معلوم ہوا کہ بریلی شریف میں برٹش نواز صرف یہی مولوی صاحب تھے موصوف کی مذکورہ تقریر کا بریلی کے غیور اور حریت پسند مسلمانوں پر کیا اثر ہوا، یہ بھی موصوف ہی کے لفظوں میں ملاحظہ فرمائیے۔

”اس تقریر نے بریلی میں آگ لگا دی اور تمام مسلمان مولانا محمد احسن نانوتوی کے خلاف ہو گئے۔ اگر کو تو الٰہی شہر شیخ بدرالدین کی فمائش پر مولانا بریلی نہ چھوڑتے تو ان کی جان کو بھی خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔“
قارئین کرام پر بخوبی واضح ہو گیا ہو گا کہ واقعی دہلی کالج میں کس قسم کے علماء تیار کئے جا رہے تھے۔ ہم نے اس کالج کو اینگلو انڈین علماء ساز فیکلٹی لکھا ہے تو حقائق و واقعات کی بنا پر ہی لکھا ہے۔ خدا شاہد ہے کہ اس میں تعصب یا نفسانیت کا ذرا بھی دخل نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی اس حق گوئی کا بُرا منائے اور احقر کو مورد الزام ٹھہرائے لیکن جو حضرات حقیقت کو اس کی اصل صورت میں دیکھنا چاہتے ہیں ان کے سامنے اس ناچیز نے یہ مختصر سا، لیکن صاف اور شفاف آئینہ رکھ دیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس میں کتنے ہی پھرے بالکل واضح نظر آجائیں گے تفصیل کے شائق حضرات ہماری تصنیف مشعلِ راہ، مطبوعہ لاہور کی جانب رجوع کریں کیونکہ وہ ایسے چہروں کو دیکھنے کے لئے بہت ہی وسیع و عریض تاریخی آئینہ ہے۔

۱۔ مولانا محمد احسن نانوتوی، مطبوعہ کراچی، ص ۵۰

۲۔ ایضاً، ص ۵۱

غیر مقلدین کی برٹش نوازی

میاں نذیر حسین دہلوی تھے۔ لیکن اس نئے مذہب کی مولوی محمد حسین بٹالوی (المتونی ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء) جس مستعدی سے وکالت اور ترویج و اشاعت کر رہے تھے، اس کے باعث انہیں پوری جماعت کا نفس ناطقہ سمجھا جاتا تھا۔ موصوف نے انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے کو خلاف شرع بتاتے ہوئے ایک فتویٰ رسالے کی شکل میں شائع کیا۔ اس پر تصدیق و تائید میں تمام غیر مقلد علماء کی مہریں کر دانی گئیں اور متحدہ ہندوستان کے طول و عرض میں اسے دھوم دھام سے مشترک کیا گیا۔ اس میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بارے میں یہ وضاحت فرمائی گئی ہے:-

”مفسدہ ۱۸۵۷ء میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے وہ سخت گناہگار اور بحکم قرآن و حدیث مفسد و باغی، بدکردار تھے۔ اکثر ان میں عوام کا لانعام تھے۔ بعض جو خواص و علماء کہلاتے تھے وہ بھی اصل علوم دین (قرآن و حدیث) سے بے بہرہ تھے یا ناقص و بے سمجھ۔ بانجبر و سمجھ دار علماء اس میں ہرگز شریک نہیں ہوئے اور نہ اس فتویٰ پر جو اس غدر کو جہاد بنانے کے لئے مفسد لئے پھرتے تھے، انہوں نے خوشی سے دستخط کئے۔ اس کی تفصیل، عم اشاعت السنۃ نمبر ۱۰ جلد ۸ میں کر چکے ہیں“ لے

موصوف کے اس رسالے کے ٹائٹل پر فخر یہ یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں:-
”پنجاب کے نامور و ہر دل عزیز لیفٹیننٹ گورنر سر چارلس ایچی سن صاحب بہادر کے سی۔ ایس۔ آئی وغیرہ نے اپنے نام نامی سے اس ڈیڈ ٹیکٹ ہونا منظور فرمایا۔“ لے

مولوی محمد حسین بٹالوی کے اس رسالے اور فتوے کی تمام غیر مقلد علماء نے تائید

۱۔ الاقصاد فی مسائل الجہاد، مطبعہ دکتوریہ پریس لاہور، ص ۲۹

۲۔ ایضاً: ٹائٹل پیج

تصدیق کی اور اس پر اپنی تقریبات لکھنا باعثِ فخر شمار کیا۔ موصوف کے اس رسالے کے بارے میں ناشر عزیز مقلدیت، نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی (المتوفی ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء) نے یوں اپنی رائے ظاہر کی ہے:-

”۱۸۵۷ء میں مولوی محمد حسین سرگروہ موحدین لاہور بجاواب و سوال و مسئلہ اور اس فتویٰ کے آیا بمقابلہ گورنمنٹ ہند، مسلمانانِ ہند کو جہاد کرنا اور اپنی مذہبی تقلید میں ہتھیار اٹھانے چاہیے یا نہیں؟ یہ جواب دیا ہے اور بیان کیا ہے کہ جہاد جنگِ مذہبی بمقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند یا بمقابلہ اُس حاکم کے کہ جس نے آزادی مذہبی دے رکھی ہے اور از روئے شریعتِ اسلام عموماً خلاف و ممنوع ہے اور وہ لوگ جو بمقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند یا کسی اس بادشاہ کے جس نے آزادی مذہب دی ہے ہتھیار اٹھاتے ہیں اور مذہبی جہاد کرنا چاہتے ہیں۔ کل ایسے لوگ باغی ہیں اور مستحقِ سزا کے مثل باغیوں کے شمار ہوتے ہیں۔“

پوری جماعت کی جانب سے اس فتوے کی تائید کا ذکر نواب موصوف نے یوں کیا ہے:-

”پھر مولوی محمد حسین نے اپنے اس دعوے اور جواب کی تصدیق میں کل علماء ملکِ پنجاب و اطرافِ ہند کے پاس اپنے جوابی فتویٰ کو بھیج دیا اور اچھی طرح مشہور کیا اور کل علماء ہند و ملکِ پنجاب سے اس بات کی تصدیق میں اقرارِ مہری اور دستخطی کرا لیا کہ عموماً مسلمانانِ ہند کو ہتھیار اٹھانا اور جہاد بمقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند کرنا خلافِ مسلہ سنت و ایمانِ موحدین ہے اور نیز کل علماء ملکِ پنجاب و ہند نے تائیدِ قول مولوی محمد حسین کی کی ہے اور اپنے اپنے دستخط و مہر کر کے مولوی محمد حسین کو اس فتویٰ میں بہت سچا اور پکا کہا ہے اور سب نے اپنی اپنی رضا سے اسلامی و ایمانی سے اس فتویٰ کو قبول کیا ہے اور جانا اور مانا ہے کہ بمقابلہ گورنمنٹ ہند فرقہ موحدین کو ہتھیار اٹھانا خلافِ ایمان و اسلام کے ہے۔ پھر مولوی محمد حسین نے اس بات کی استدعا کی تھی کہ وہ بیان

لے ترجمانِ دہلی، مطبوعہ امرتسری، ص ۱۲۰

ملک ہزارہ کے نزدیک ایک عالم ایلچی بندریہ مسلمانان ہند کے بھیجا جاوے اور وہ مع اس فتوے کے جا کر اس نا سمجھ کردہ کو مطلع کر دے کہ جہاد بمقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند کے ممنوع ہے اور نیز اُن کو آگاہ کر دے کہ اُن کی اس نا فہمی کے خونریزی و جہاد و قتال پر سخت گناہ ثابت ہے اور سب کا گناہ اُن کے سر پر وارد شرعی ہے اور جو کہ از روئے شریعت اسلام برٹش گورنمنٹ ہند سے جہاد کرنا خلاف طریقہ اسلام و شریعت حقہ کے ہے۔ اس لئے اُن کو خیر خواہی گورنمنٹ ہند میں برابر مستعد رہنا چاہیے۔“ لے

پروفیسر محمد اوب قادری نے مذکورہ فتوے کے بارے میں یہ وضاحتی بیان سپرد قلم

کیا ہے :-

”مولوی محمد حسین بٹالوی نے سرکار برطانیہ کی وفاداری میں جہاد کی منسوخی پر ایک مستقل رسالہ ”الاقتصاد فی مسائل الجہاد“ ۱۲۹۲ھ میں لکھا۔ انگریزی اور عربی زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔ یہ رسالہ سرچارلس ایچی سن اور سر جیمس لائل گورنران پنجاب کے نام معنون کیا گیا۔ مولوی محمد حسین نے اپنی جماعت کے علماء سے رائے لینے کے بعد ۱۲۹۶ھ میں رسالہ اشاعت السنۃ کی جلد دوم شمارہ گیارہ میں بطور ضمیمہ شائع کیا، پھر مزید مشورہ اور تحقیق کے بعد ۱۳۰۶ھ میں باضابطہ کتاب کی صورت میں شائع ہوا۔“ لے

مشہور غیر مقلد عالم، مولوی مسعود عالم ندوی نے اس سلسلے میں یہ انکشاف بھی کیا ہے :-

”معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس کے معاوضے میں سرکار انگریزی سے

انہیں جاگیر بھی ملی تھی۔“ لے

مولوی محمد حسین بٹالوی کو اپنے اس فتوے پر بڑا ناز تھا۔ وہ برٹش گورنمنٹ کی وفاداری اور خیر خواہی میں یہ اپنا اتنا بڑا کارنامہ شمار کرتے تھے کہ دوسرے اُن کے نزدیک اس کی

لے ترجمان دہلیہ، مطبوعہ امرتسر، ص ۱۲۰

لے مقدمہ حیات سید احمد شہید، مطبوعہ کراچی، ص ۲۵

لے ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، مطبوعہ دہلی ۱۳۶۸ھ، ص ۲۹

گردِ راہ کو بھی نہیں پاسکے تھے۔ موصوف کے اس کا زمانے کی ہمہ گیری سے کسی منصفِ آج کے لئے انکار کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ جہاں یہ فتویٰ حکومت کے لئے پروانہ استحکام تھا وہاں اسلامیانِ ہند کے حلقوم پر چھری رکھ دینے یا انہیں کلوروفارم سنگھارینے کے مترادف تھا۔ پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری نے اس رسالے کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:-

”اگرچہ اس مضمون (منسوخیِ جہاد) کے رسائل گورنمنٹ اور ملک کے خیر خواہوں نے بھی لکھے ہیں لیکن جو ایک خصوصیت اس رسالے میں ہے وہ آج تک کسی تالیف میں نہیں پائی جاتی۔ وہ یہ ہے کہ رسالہ صرف مؤلف کا خیال نہیں رہا اس گروہ (غیر مقلدین) کے عوام و خواص نے..... اس کو پسند کیا اور اس سے اپنے آراء کا توافقی ظاہر کیا۔ اس توافقی رائے حاصل کرنے کے لئے مؤلف نے عظیم آباد پٹنہ تک ایک سفر کیا تھا، جس میں لوگوں کو یہ رسالہ سنا کر اتفاق حاصل کیا اور جہاں خود نہیں پہنچا وہاں اس رسالے کی متعدد کاپیاں ارسال کر کے توافقی حاصل کیا۔“ لے

مرزا غلام احمد قادیانی (المتوفی ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) اور سر سید احمد خان صاحب (المتوفی ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء) کا خیال تو یہی تھا کہ برٹش گورنمنٹ کی وفاداری اور خیر خواہی میں اُن کا حریف پورے متحدہ ہندوستان کے اندر پشاور سے اس کماری تک کوئی نہیں ہے لیکن مولوی محمد حسین بٹالوی کو اپنی بھاری بھر کم کارگزاری پر ناز تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ میں اُن دونوں حضرات سے بھی بازی لے گیا ہوں۔ بہر حال اس امر کا فیصلہ تو ان حضرات کے معتقدین و متبعین ہی بہتر کر سکتے ہیں کہ ان تینوں میں سے گوئے سبقت کون لے گیا تھا۔ پروفیسر محمد ایوب قادری نے موصوف کے ایسے ہی ایک فخریہ بیان کو اُن کے رسالہ اشاعت السنۃ، لاہور کی جلد ۸، شمارہ ۹ کے صفحہ ۲۶۲ سے یوں نقل کر کے پیش کیا ہے:-

لے مقدمہ حیات سید احمد شہید، شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی، ص ۲۵

” اس گروہ اہلحدیث کے خیر خواہ و فادار رعایا برٹش گورنمنٹ ہونے کی ایک بڑی اور روشن اور قوی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ برٹش گورنمنٹ کے زیر حمایت رہنے کو اسلامی سلطنتوں کے ماتحت رہنے سے بہتر سمجھتے ہیں اور اس امر کو اپنے قومی وکیل اشاعت السنۃ کے ذریعے سے جس کے نمبر ۱، جلد ۴ میں اس امر کا بیان ہوا ہے (اور وہ نمبر ہر ایک لوکل گورنمنٹ اور گورنمنٹ آف انڈیا میں پہنچ چکا ہے) گورنمنٹ پر بخوبی ظاہر اور مدلل کر چکے ہیں جو آج تک کسی اسلامی فرقہ رعایا گورنمنٹ نے ظاہر نہیں کیا اور نہ آئندہ کسی سے اس کے ظاہر ہونے کی امید ہو سکتی ہے۔“ لے

یہ تو ملک حسن علی صاحب ہی شاید بہتر بتا سکیں کہ بٹالوی صاحب کے بیان ۱۔

یہ لوگ (غیر مقلدین) برٹش گورنمنٹ کے زیر حمایت رہنے کو اسلامی سلطنتوں کے ماتحت رہنے سے بہتر سمجھتے ہیں۔ کی تہ میں کیا نظر آ رہا ہے؟ موصوف کو نصاریٰ کی غلامی میں آزادی کی نسبت کوئی خوبی اور بہتری نظر آتی تھی؟ اگر اس بیان میں بھی کوئی ابہام رہ گیا ہو تو اور بھی واضح بیان ملاحظہ فرمائیے، جس سے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ موصوف کی انگریز پرستی ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ انہوں نے فرمایا ہے:-

” یہ نہ ہی آزادی اس گروہ کو خاص کر اس سلطنت میں حاصل ہے۔ بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے کہ ان کو اور اسلامی سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے۔ اس خصوصیت سے یہ یقین ہو سکتا ہے کہ اس گروہ کو اس سلطنت کے قیام و استحکام سے زیادہ مسرت ہے اور ان کے دل سے مبارکباد کی صدائیں زیادہ زور کے ساتھ نعرہ زن ہیں۔“ لے

ملک صاحب! جب غیر مقلدین کو برٹش گورنمنٹ کے قیام و استحکام سے دلی مسرت ہوتی تھی تو جب ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء کو ان بیٹیروں نے بوریابستر گول کیا تھا

لے مقدمہ حیات سید احمد شہید، شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی، ص ۲۷

لے ایضاً ص ۲۷

تو آپ کی جماعت کو غور تو فرمائیے کتنا افسوس ہوا ہوگا؟ اور حجب یہ حضرات اس ظالم حکومت کے قیام و استیقام پر مبارکباد کے نعرے لگاتے تھے تو پاکستان کے معرض وجود میں آنے پر اس مملکت خداداد کے لئے یہ دل ہی دل میں مردہ باد کہتے ہوں گے یا نہیں؟ وہابی حضرات کی جانب سے قیام پاکستان کی راہ میں قدم قدم پر روڑے اٹکانا اور مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگانا اسی لئے تو تھا۔ جب ان حضرات کی پوری مخالفت کے باوجود بھی پاکستان بن گیا تو ان حضرات کی یہ پوری کوشش رہی کہ کسی طرح یہ حقیقت میں اسلامی مملکت نہ بن جائے ورنہ ہمیں جعفر و صادق کی صف میں کھڑا ہونا پڑے گا اور اس میں ہمارے نوزائیدہ فرقے، کل پرسوں کے گھڑے ہوئے اسلام کو پھلنے پھولنے کا کوئی موقع نہیں دیا جائے گا۔

ملک صاحب کے لئے اگر بار خاطر نہ ہو تو غیر مقلد پارٹی ٹکے بانی، انگریزی راج کے خلد آشیانی، برٹش گورنمنٹ کے دلبر جانی، سورج گرہی شیخ الکل میاں نذیر حسین آنجنمانی (المتوفی ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء) کی برطانیہ نوازی بھی ملاحظہ فرمائی جائے۔ جماعت میں موصوف کی سیاسی حیثیت بھی یہ تھی :-

” مولوی محمد حسین بٹالوی کی پوری پالیسی میں شمس العلماء، شیخ الکل، میاں

نذیر حسین ممد و معاون بلکہ سرپرست دسرخیل رہے اور صادق پور کے بجائے

مرکز قیادت دہلی اور لاہور منتقل ہو گیا۔“

اس وضاحت کے بعد موصوف کی برٹش نوازی کے بارے میں مزید تحقیق و تفتیش

کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ معلوم ہو گیا ہے کہ بٹالوی صاحب کی ساری بھاگ دوڑ ان کی سرکردگی میں تھی۔ یہ نوزائیدہ ٹولے کے صدر محترم اور وزیر اعظم تھے۔ ان کے دستخط چلتے تھے۔

اور ان کے جوہر کھلتے تھے۔ قیادت بڑے میاں کی جھولی میں تھی اور سیاست کی دلمن صاحبہ

مرزا غلام احمد قادیانی کے یار اور براہین احمدیہ کے تقریب نگار، عالیجناب بٹالوی جی کی ڈولی

میں تھی۔ مگر میاں نذیر حسین کی برٹش نوازی کو پایہ ثبوت تک پہنچانے کے لئے مزید

حوالے پیش کر دیئے جاتے ہیں۔ موصوف کے سوانح نگار مولوی فضل حسین بہاری اس سلسلے

میں یوں رقمطراز ہیں :-

۱۔ مقدمہ حیات سید احمد شہید، مطبوعہ کراچی، ص ۲۸

” اس کے ساتھ یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ میاں صاحب بھی گورنمنٹ انگلشیہ کے کیسے وفادار تھے۔ زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں جبکہ دہلی کے بعض معتمد اور بیشتر معمولی مولویوں نے انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ دیا تو میاں صاحب نے نہ اس پر دستخط کیا نہ ہر۔ وہ خود فرماتے تھے کہ میاں! وہ ہلٹر تھا، بہادر شاہی نہ تھی۔ وہ بیچارہ بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا... بہادر شاہ کو بھی بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں ہے۔ مگر وہ باغیوں کے ہاتھ میں کھٹ پتلی ہو رہے تھے، کرتے تو کیا کرتے؟“ لہ

۱۸۶۲ء کے مقدمہ بغاوت میں دیگر دہلی عمائد کے ساتھ میاں نذیر حسین صاحب دہلی بھی پکڑے گئے لیکن تھوڑے عرصے بعد ہی انہیں رہا کر دیا گیا۔ موصوف کو رہا کیوں کیا گیا، یہ سوانح نگار کے لفظوں میں ملاحظہ ہو:-

” وہ جس طرح ۱۸۵۷ء میں مسزینس کی جان بچانے سے وفادار ثابت ہوئے تھے اسی طرح ۱۸۶۲-۶۵ء کے مقدمہ بغاوت میں بھی بے لگاؤ ٹھہرے“ لہ
 میاں نذیر حسین صاحب ۱۳۰ھ میں حج بیت اللہ کی تیاریاں کر چکے تھے لیکن جس حرم میں جا کر جانور بھی بے خوف ہو جاتے ہیں وہاں میاں صاحب کو اپنے لئے زبردست خطرہ نظر آ رہا تھا کیونکہ حجاز مقدس کی حکومت اس وقت تک مبتدعین و ضالین کا محاسبہ کرتی رہی تھی۔ میاں صاحب اہل حق کی جماعت اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم اہلسنت و جماعت سے علیحدہ اپنی غیر مقلد ٹولی بنا بیٹھے تھے۔ لہذا خطرہ کیوں محسوس نہ ہوتا۔
 دریں حالات موصوف نے نصاریٰ سے استمداد و استعانت کی۔ برٹش گورنمنٹ کے اعلیٰ عہدیداروں سے امن و عافیت کا سفارشی پروانہ حاصل کر کے خانہ خدا کی طرف روانہ ہوئے۔
 مولوی فضل حسین بہاری نے اس واقعے کو یوں بیان کیا ہے:-

” ۱۳۰ھ میں جب میاں صاحب نے حج کا مصمم ارادہ کر لیا تو اس خیال

لہ الحیاة بعد الممات، مطبوعہ کراچی ۱۹۵۹ء، ص ۱۲۵

لہ ایضاً: ص ۱۳۷

سے کہ مخالفین اینڈارسائی میں کچھ کم حصہ نہیں لیں گے اور یہ موقع اُن کے لئے اوقاتِ مغتتمہ سے ثابت ہوگا۔ آپ نے کمشنر دہلی سے ملاقات کر کے حج بیت اللہ اور زیارتِ رینہ طیبہ و روضہ مطہرہ سرورہ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارادہ ظاہر کیا۔ کمشنر دہلی نے آپ کو ایک چھٹی مورخہ ۱۰ اگست ۱۸۸۳ء کو دی، جس کی بجنسہ نقل مع ترجمہ اردو ہدیہ ناظرین ہے۔“ لے

میاں صاحب نے سرزمینِ حجاز میں داخل ہونے کی خاطر گورنمنٹ سے استعانت کرتے ہوئے جو چھٹی دہلی کے سرورس کمشنر و سپرنٹنڈنٹ مسٹر جے۔ ڈی۔ ٹریملٹ بنگال سے حاصل کی۔ اُس کا اردو ترجمہ میاں صاحب کے سوارخ نگار مولوی فضل حسین بہاری نے یوں پیش کیا ہے۔

”مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بڑے مقتدر عالم ہیں جنہوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے۔ وہ اپنے فرضِ زیارتِ کعبہ کے ادا کرنے کو مکتہ جاتے ہیں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ جس کسی برٹش گورنمنٹ افسر کی وہ مدد چاہیں گے وہ اُن کو مدد دے گا کیونکہ وہ کامل طور سے اس مدد کے مستحق ہیں۔“ لے

حج بیت اللہ کے لئے جانے سے پیشتر موصوف نے دوسری چھٹی مسٹر یسنس سے حاصل کی جس کی میم صاحبہ کی جان آپ نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے دوران بچائی تھی۔ دوسری چھٹی کے بارے میں میاں صاحب کے سوارخ نگار نے یہ وضاحت بھی فرمائی ہے۔

”دوسری چھٹی مسٹر یسنس نے بنام کونسل مقیم جدہ کے دی، جس میں آپ کی خیر خواہی، زمانہ عذر کا مفصل بیان تھا۔ انہوں نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ ان کے مخالفین بھی بہت ہیں اور اُن میں سے بعض مکہ معظمہ میں یہاں سے بھاگ کر مقیم ہو گئے ہیں۔ مسٹر یسنس نے یہ بھی استدعا کی تھی کہ برٹش گورنمنٹ

الحیاء بعد الممات، مطبوعہ کراچی، ص ۱۳۸، ۱۳۹
ایضاً: ص ۱۴۰

کائنات کا فرض ہے کہ ان کو ان کے مخالفین کے شر و فساد سے بچائے۔^۱
 مکہ معظمہ میں میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کا فرقہ سازی و فتنہ سازی کے باعث
 شدید مواخذہ ہوا۔ گورنر کے حکم سے آپ کو پابند سلاسل کر دیا گیا۔ اس کے باوجود بھی
 موصوف کی گمراہی و گمراہ گری اور برٹش نوازی میں ذرا فرق نہ آیا، بلکہ انہوں نے گورنر کے
 ردِ بر و جو بیان دیا وہ ان کے سوانح نگار نے یوں نقل کیا ہے:-

ہندوستان میں اس وقت انگریزی حکومت ہے۔ وہاں ہر مذہب والا آزادی
 کے ساتھ اپنے شعائر مذہب ادا کرنے کا مجاز ہے۔ کوئی مسلمان نہ جمعہ سے
 روکا جاتا ہے نہ جماعت سے۔ اور یہاں اسلامی سر زمین اور مسلمانوں کی
 حکومت میں ہم لوگ طوائفِ کعبہ اور جمعہ و جماعت سے مجبور ہیں۔ اس کے بعد
 ہم یہ کہنے سے معذور سمجھے جائیں کہ انگریزی گورنمنٹ ہم مسلمانوں (غیر مقلدین)
 کے لئے خدا کی رحمت ہے۔^۲

کاش! میاں صاحب اُس بے راہ روی کو چھوڑ دیتے جس کے باعث مواخذہ
 ہو رہا تھا۔ چند روزہ زندگی کی راحت کے لئے آخرت کو خراب نہ کرتے۔ برٹش گورنمنٹ
 کی رضا جوئی پر خدا کی رضا کو ترجیح دیتے تو ان کا اپنا ہی بھلا تھا۔ لیکن موصوف نے
 دار و گیر کے باوجود بھی تخریبِ دین و افتراقِ بین المسلمین کا کھیل جاری رکھا، حکومت
 وقت سے برابر رشتہ یاری رکھا، جس کے باعث آخر کار حکومت نے انہیں شمس العلماء
 بنا دیا:-

شمس العلماء کا خطاب (میاں نذیر حسین دہلوی کو) گورنمنٹ انگلشیہ کی
 طرف سے ۲۲ جون ۱۸۹۶ء مطابق ۲۱ محرم ۱۳۱۵ھ بروز شنبہ کو دیا گیا۔^۳
 اب غیر مقلدیت کے سرکاری محافظ و ناشر، جناب نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھون
 (المتوفی ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۹ء) کی برٹش نوازی کی کہانی خود ان کی زبانی سن لیجئے۔ موصوف

۱۔ الحیاة بعد المماتة، مطبوعہ کراچی ص ۱۲۰، ۱۲۱

۲۔ ایضاً: ص ۱۶۱، ۱۶۲

۳۔ (۱) ایضاً: ص ۱۸۰ (ب) تاریخ اہل حدیث، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۳ء، ص ۲۳۰

(ج) تذکرہ مظہر مسعود، مطبوعہ کراچی ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۹ء، ص ۲۰

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:-

” آج کل عام مسلمان جن کو علم و فہم سے بہرہ نہیں بلکہ اکثر اربابِ دولت و حکومت جنہیں اسلام کی خوبیوں سے اور ایمان کی باتوں سے بالکل واقفیت نہیں، جس کو جہاد سمجھ رہے ہیں وہ حقیقت میں فتنہ کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔“

موصوف نے اسی سلسلے میں یہ بھی فرمایا ہے:-

” جس کا جی چاہا اور اس کو دوسو سہ سرداری نے گھبرا دہی سرکار سے باغی ہو کر لڑنے کو کھڑا ہو گیا اور اس لڑائی کو جہاد ٹھہرایا، حالانکہ وہ جہاد نہ تھا سراسر فتنہ تھا۔“

نواب صاحب تو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں حصہ لینے والوں یعنی شمعِ حریت کے پردازوں کو مفسد، باغی اور فتنہ پرداز ٹھہرا رہے ہیں لیکن موصوف کی معنوی ذریت آج یہ کہنے نہیں تھکتی کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں وہابیوں نے بھرپور حصہ لیا تھا۔ معلوم نہیں آج انہیں اپنے بڑوں کی زبانی مفسد، باغی اور فتنہ پرداز بننے میں کونسی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ حقیقت صرف یہ ہے کہ مبتدعینِ زمانہ لوگوں کو دھوکا دینے کی خاطر وقت کے تقاضوں کو دیکھ کر بھیس بدلتے ہی رہتے ہیں۔ اُس جنگِ آزادی کے بارے میں وہابیوں کے حصہ نہ لینے کا نواب صاحب نے یوں اپنے لفظوں میں اظہار فرمایا ہے:-

جتنے لوگوں نے غدر میں شرفساد کیا اور حکامِ انگلشیہ سے برسرِ عناد ہوئے وہ سب کے سب مقلدانِ مذہبِ حنفی تھے، نہ متبعانِ سنتِ نبویؐ۔“

یہ بھی نواب صاحب کی زبانی ہی سماعت فرمائیے کہ متحدہ ہندوستان میں بسنے والے مسلمان کس جماعت سے تعلق رکھتے آئے اور اس جماعت سے وہ کیوں متعلق رہے:-

” خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام

۱۷ ترجمانِ وہابیہ، مطبوعہ امرتسر، ص ۲۸

۱۸ ایضاً: ص ۳۰

۱۹ ایضاً: ص ۳۷

آیا ہے چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں، اُس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں اور اسی مذہب کے عالم اور فاضل قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہے، یہاں تک کہ ایک جم غفیر نے مل کر فتاویٰ ہندیہ یعنی فتاویٰ عالمگیری جمع کیا اور اس میں شیخ عبدالرحیم دہلوی والا بزرگوار شاہ ولی اللہ مرحوم کے بھی شریک تھے۔^۱ لے

دوسرے مقام پر اس بارے میں نواب صاحب یوں بھی رقمطراز ہیں:-

”حنفیہ جن سے یہ ملک باکل بھرا ہوا ہے اُن کے عالموں اور مجتہدوں کا تو

یہی فتویٰ ہے کہ یہ (متحدہ ہندوستان) دارالاسلام ہے۔“^۲ لے

موصوف کے اس ارشادِ گرامی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا:-

ہندوستان کے اکثر مسلمان مذہبِ سُنی رکھتے ہیں۔“^۳ لے

واقعی انگریز کی آمد سے پہلے اس ملک میں سارے اہلسنت و جماعت یعنی حنفی المذہب

ہی تھے جبکہ صرف آٹے میں نمک کے برابر شیعہ حضرات بھی ایک عرصے سے موجود

تھے۔ رہے وہابی، اہلحدیث، دیوبندی، نیچری، چکڑالوی، مرزائی وغیرہ جتنی قسم کے بھی

مدعیانِ اسلام پائے جاتے ہیں یہ ساصرینِ برطانیہ کی شعبدہ بازی کے کرشمے اور اُن کی اسلام

دشمنی کی زندہ یادگاریں ہیں۔ دیوبندی حضرات اگرچہ سُنی و حنفی ہونے کے مدعی ہیں لیکن عقائد

میں وہابیت اختیار کر لینے کے بعد بعض فروعی مسائل میں احناف کی مطابقت عوام الناس

کو اپنے جال میں پھنسانے کی غرض سے اختیار کی گئی ہے۔ غیر مقلد وہابیہ سے عوام الناس

کی نفرت کو دیکھ کر برٹش گورنمنٹ نے کتابِ وہابیت کا یہ نفاق آمیز ایڈیشن شائع کیا تھا

خیر ذکر تھا نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی کی برٹش نوازی کا۔ موصوف نے مخالفین

حکومتِ انگریز کے بارے میں اپنا یہ نوابی فتویٰ جاری فرمایا تھا:-

۱ لے ترجمانِ وہابیہ، مطبوعہ امرتسر، ص ۲۰

۲ لے ایضاً : ص ۲۹

۳ لے ایضاً : ص ۲۷

” وہ لوگ جو بمقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند یا کسی اس بادشاہ کے جس نے آزادگی
 مذہب دی ہے، ہتھیار اٹھاتے ہیں اور مذہبی جہاد کرنا چاہتے ہیں، کل ایسے
 لوگ باغی ہیں اور مستحق سزا کے مثل باغیوں کے شمار ہوتے ہیں۔“ لے
 ملک صاحب سے ہماری موڈبانہ گزارش ہے کہ وہ اپنے نواب صاحب کی زبانی برٹش
 ٹیٹ کی قصیدہ خوانی سماعت فرمائیں۔ خود یاد کریں اور دوسروں کو بھی سنائیں۔ اگر درست
 تو اس آواز کو گھر گھر پہنچائیں ورنہ اپنے بڑوں کی کرتوت پر مل بیٹھ کر سارے شریائیں۔
 نواب صاحب نے فرمایا ہے :-

” غرض ان (قاصی شوکانی) کی گواہی سے بخوبی معلوم ہوا کہ درستی ملک اور
 صفائی راہ اور رفاہ عوام اور امن خلاق اور امان مخلوق اور راحت رسانی
 رعیت اور آرام دہی بریت میں حکام فرہنگ کا مثل اور نظیر اس وقت
 میں بلکہ اکثر اوقات میں ہرگز نہیں، اگرچہ ہر وقت کے ملا اور مفتی خوشامد
 کی راہ سے باتیں بناتے ہیں اور ہر کسی کو اچھا بتاتے ہیں مگر میری نظر میں جو
 راج اور عرصہ ہوا وہ لکھ دیا، قبول و ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے۔ لے
 ایمان نیچنے پر ہیں اب سب تلے ہوئے
 لیکن خرید ہو جو علی گڑھ کے بھاؤ سے

غیر مقلدین کو اہل حدیث کس نے بنایا۔ متحدہ ہندوستان

سرزمین میں فرقہ سازی کا سنگ بنیاد مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے رکھا اور اپنی نوزائیدہ
 سماعت کا نام محمدی گروہ بتایا، جیسا کہ مذکور ہوا۔ مسلمانانِ پاک و ہند ان کے بارے
 کا کہا کرتے تھے کہ محمد بن عبد الوہاب نجدی (المتوفی ۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۱ء) کی پیروی
 کرتے ہیں اس لئے یہی نام مناسب ہے۔ کیونکہ عام آدمی بھی جان لے گا کہ جو اپنے

لے ترجمان و ہابیہ، مطبوعہ امرتسر، ص ۱۲۰

لے ایضاً : ص ۳۲

لئے صرف محمدی کہے وہ وہابی ہے۔ تنگ آکر ان حضرات نے خود کو موحد بتانا شروع کر دیا۔ اس پر مسلمان یہی کہتے کہ واقعی منکرینِ شانِ رسالت ہونے کے باعث وہابی حضرات بھی سکھوں کی طرح نرے موحد ہیں۔ اُدھر حکومت وہابیوں کو بھی شک کی نگاہوں سے دیکھنے لگی تھی کیونکہ سرحد اور ہزارہ میں جو وہابیوں کا بیانِ صادق پور وغیرہ نے جہاد کے نام پر کاروبار کھولا ہوا تھا، اب حکومت بھی اُسے ناپسند کرنے لگی تھی کیونکہ برٹش گورنمنٹ کو اب اس کارگزاری کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ ان تمام حالات سے تنگ آکر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حکومت کا سہارا لیا کہ وہ قانوناً ہماری جماعت کا نام اہل حدیث مشتہر کر دے تاکہ آئندہ کوئی سرکاری یا غیر سرکاری آدمی ہمیں اس کے سوا کسی اور نام سے موسوم نہ کرے۔ بٹالوی صاحب نے وائسرائے ہند سے اپنی جماعت کو اہلحدیث کے نام سے نامزد کروانے کی درخواست کی۔ اس کارگزاری اور حکومت کی جانب سے منظوری کے بارے میں پروفیسر محمد ایوب قادری یوں رقمطراز ہیں:-

” انہوں (مولوی محمد حسین بٹالوی) نے ارکانِ جماعت اہلحدیث کی ایک دستخطی

درخواست یقیناً گورنر پنجاب کے ذریعہ سے وائسرائے ہند کی خدمت میں روانہ کی۔ اس درخواست پر سر فرسٹ شمس العلماء میاں نذیر حسین کے دستخط تھے۔ گورنر پنجاب نے وہ درخواست اپنی تائیدی تحریر کے ساتھ گورنمنٹ آف انڈیا کو بھیج دی۔ وہاں سے حسبِ ضابطہ منظوری آگئی کہ آئندہ وہابی کے بجائے اہلحدیث کا لفظ استعمال کیا جائے۔

یقیناً گورنر پنجاب نے اس کی باقاعدہ اطلاع مولوی محمد حسین کو دی۔ اس طرح گورنمنٹ مدراس کی طرف سے ۱۵ اگست ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۱۲۴، گورنمنٹ بنگال کی طرف سے ۳۱ مارچ ۱۸۹۰ء کو بذریعہ خط نمبر ۱۵۶، گورنمنٹ یو۔ پی۔ کی طرف سے ۲۰ جولائی ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۳۸۶، گورنمنٹ سی۔ پی۔ کی طرف سے ۱۲ اگست ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۳۲، اس امر کی اطلاع مولوی محمد حسین بٹالوی کو ملی۔ لے

محمد بن عبدالوہاب نجدی کے سوانح نگار اور اہلحدیث حضرات کے مشہور اہل قلم جناب مسعود عالم ندوی نے اپنے مولوی محمد حسین بٹالوی کی اس کارگزاری اور موصوف کے دیگر کارناموں کے بارے میں اپنی رائے یوں ظاہر کی ہے۔

”جماعت اہل حدیث کو فرقے کی شکل دینے میں ان (مولوی محمد حسین بٹالوی) کا خاص حصہ ہے اور یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اس سادہ لوح فرقے میں وفاداری کی خوبو پیدا کی۔ نہ صرف یہ ہوا بلکہ دوسرے معاصر علماء کو سرکار کی مخالفت کے طعنے بھی دیتے“۔

مولوی ثناء اللہ امرتسری (المتوفی ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۸ء) کے سوانح نگار یعنی مولوی عبدالمجید خادم سوہروردی نے مولوی محمد حسین بٹالوی کے اس کارنامے کو یوں خراج تحسین پیش کیا ہے:-

”مولوی محمد حسین بٹالوی نے اشاعت السنۃ کے ذریعے اہل حدیث کی بہت خدمت کی۔ لفظ وہابی آپ ہی کی کوشش سے سرکاری دفاتر و کاغذات سے منسوخ ہوا۔ اور جماعت کو اہل حدیث کے نام سے موسوم کیا گیا..... (آپ نے) حکومت کی خدمت بھی کی اور انعام میں جاگیر بھی پائی۔“

مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے نوزائیدہ گروہ کا سرکاری نام اہل حدیث اس لئے منظور کروایا تھا کہ علمائے کرام کی تصانیف میں محدثین حضرات کے لئے محدثین اور اہل حدیث کے الفاظ عام استعمال ہوئے ہیں۔ لہذا اس نام کے باعث یہ بے خبر مسلمانوں کی آنکھوں میں بڑی آسانی کے ساتھ دھول جھونک سکتے ہیں کہ دیکھیے ہماری جماعت کا ذکر متاخرین تو کیا متقدمین کی تصانیف عالیہ میں بھی موجود ہے، لہذا جب قرآن و حدیث اسی وقت سے اہل حدیث۔ یہ بھی اس نام کے رکھنے اور رکھوانے میں ان حضرات کی مصلحت۔

۱۔ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، مطبوعہ، ص ۲۱۲

۲۔ سیرت ثنائی، مطبوعہ گوجرانوالہ ۱۹۵۲ء، ص ۳۷۲

کاش! یہ حضرات جماعت کا نام بدلنے کی جگہ اپنی روش کو بدلتے۔ جس ناجی گروہ
اہلسنت وجماعت سے نکل کر بھاگے تھے اسی میں آ ملتے۔ لیل بدلنے سے بوتل میں بھری
ہوئی شراب کبھی بھی شربتِ صندل یا بزوری وغیرہ نہیں ہو سکتی۔ بدلنا ہی تھا تو اپنے دلوں
کو بدلتے۔ علیحدہ فرقہ بنانے کی سیکم کو بدلتے۔ غیر اسلامی عقائد و نظریات
جو اختیار کر لئے تھے انہیں ترک کر دیتے کہ ان کے ترک کر دینے میں سب سے پہلے
اپنا ہی بھلا تھا۔ ملتِ اسلامیہ کا ساتھ دیتے اور برٹش نوازی پر لعنت بھیتے
اور اس آواز پر کان دھر لیتے :-

گر چہ ہے دلکشا بہت حسنِ فرنگ کی بہار

طائرکِ بلند بال دانہ و دام سے گزر

برٹش نوازی کا علی گڑھی ریکارڈ :- سر سید احمد خان صاحب

دہلوی ثم علی گڑھی (المتوفی ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء) کے بارے میں یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ
نہیں کہ اس میدان میں وہ اپنی نظیر خود آپ تھے۔ ملتِ اسلامیہ کے دلوں اور دماغوں
کو، تہذیب و تمدن کو، دین اور ایمان کو، آداب و اوضاع کو بدلنے میں ان کا سب سے زیادہ
حصہ ہے۔ موصوف کی کارگزاری جو پوری طرح دیکھنا چاہے وہ ہماری کتاب معارفِ رضا
جلد اول کا مطالعہ کرے۔ یہاں موصوف کی صرف برٹش نوازی کی ایک جھلک ہی پیش
کی جائے گی۔ سر سید احمد خان صاحب کے خاص معتقد و سوانح نگار اور شاعر، نیچریت،
جناب خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی نے اس سلسلے میں یوں وضاحت فرمائی ہے
” انہوں (سر سید احمد خان صاحب) نے کئی موقعوں پر ظاہر کیا کہ میں ہندوستان
میں انگلش گورنمنٹ کا استحکام کچھ انگریزوں کی محبت اور ان کی ہوا خواہی کی نظر
سے نہیں چاہتا بلکہ صرف اس لئے چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی
خیر اس کے استحکام میں سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک، اگر وہ اپنی حالت
سے نکل سکتے ہیں تو انگلش گورنمنٹ ہی کی بدولت نکل سکتے ہیں،“ لے

لے حیاتِ جاوید، مصنفہ الطاف حسین حالی، ص ۶۸۳

محبوب کی زبان سے محب کا ذکر ہو، تو اُس میں جو لطف ولذت اور چاشنی بھری ہوئی ہوتی ہے وہ دوسروں کے الفاظ میں کہاں؟ برٹش گورنمنٹ کے پبجاریوں نے جو اُس کی خوبیاں بیان کی ہیں، اُن کے الفاظ میں معانی اور نیا زندی کا ایسا سیلاب پوشیدہ ہے جو اُٹ کر آیا ہوا تھا۔ لیجئے سر سید احمد خان صاحب کی زبانی بھی انگریزی راج کی قصہ خوانی ملاحظہ فرمائیے۔ انہوں نے یوں گوہر فشانہ فرمائی تھی :-

” ہم جو کہتے ہیں کہ ہماری منصف گورنمنٹ مسلمانوں کے ساتھ ہے، اس کی بہت روشن دلیل یہ ہے کہ ہماری قدر دان گورنمنٹ نے خیر خواہ مسلمانوں کی کیسی قدر و منزلت اور عزت و آبرو کی، انعام و اکرام اور نپش و جاگیر سے نہال کر دیا ہے۔ ترقی عہدہ اور افزائی مراتب سے سرفراز کیا ہے۔ پھر کیا یہ ایسی بات نہیں ہے کہ مسلمان نازاں ہوں اور اپنی گورنمنٹ کے تکر گزار اور ثنا خواں رہیں۔“ لے

محبت کی آنکھ جب دیکھتی ہے تو اُسے محب کی خامیاں اور خرابیاں بھی خوبوں کی شکل میں نظر آتی ہیں۔ نگاہِ محبت اسی طرح محب کے عیوب کو دیکھنے سے عاجز ہوتی ہے جس طرح نفرت کی آنکھ دشمن کی خوبیوں کو دیکھنے سے مجبور ہوتی ہے۔ — انگریز متحدہ ہندوستان کے اندر تاجر کے روپ میں آئے۔ یہاں کے دگرگوں حالات کو دیکھ کر منہ میں پانی بھرا آیا اور حکومت کے خواب دیکھنے لگے۔ اندرونِ خانہ سازشوں کا جال پھیلانا شروع کر دیا۔ صنمیر فروشوں اور غداروں کا قدم قدم پر سہارا لیا اور ملک ملت کے غداروں کی مدد سے ایک دن پورے ملک کے مالک بن بیٹھے۔ — لیکن اس روز روشن کی طرح واضح حقیقت کے برعکس موصوف یوں فرماتے ہیں :-

” وہ (سر سید احمد خان صاحب) اکثر کہا کرتے تھے کہ گو ہندوستان کی حکومت کرنے میں انگریزوں کو متعدد لڑائیاں لڑنی پڑی ہوں، مگر درحقیقت نہ انہوں نے یہاں کی حکومت بزور حاصل کی اور نہ مکرو فریب

سے، بلکہ درحقیقت ہندوستان کو کسی حاکم کی اصلی معنوں میں ضرورت تھی،
 سو اسی ضرورت نے ہندوستان کو ان کا محکوم بنا دیا۔“ لے

موصوف نے بھی نیچری فرقے کی داغ بیل ڈالی تھی۔ یہ کتاب وہابیت کا انگریزی
 ایڈیشن تھا جبکہ نفاق آمیز عربی ایڈیشن دیوبند سے شائع ہونے لگا تھا اور خشک وہابیت
 کو غیر مقلدیت کے روپ میں فرقے کی شکل میں نذیر حسین دہلوی نے بخش دی تھی۔
 — جملہ وہابی گروپوں کی طرح موصوف بھی مولوی محمد اسماعیل دہلوی کے پیروکار
 ہونے کے مدعی اور برٹش گورنمنٹ کے چڑھتے ہوئے سورج کی پوجا پاٹ کرنے
 والوں میں سرکردہ ہستی تھے۔ دیگر وہابی عمائد کی طرح یہ بھی انگریزی راج کو اپنے ٹوٹے
 کی ضرورت محسوس کرتے تھے کیونکہ انگریزوں کی حکومت رہے گی تو اس کے خودکاشٹ
 پودے پروان چڑھیں گے ورنہ مسلمانوں کی حکومت میں ایسی فتنہ پردازیوں کے پھلنے پھولنے
 کی توقع کہاں؟ — اسی لئے موصوف نے صاف صاف فرما دیا تھا :-
 ” وہابی جس آزادی مذہب سے انگلش گورنمنٹ کے سایہ عاطفت میں
 رہتے ہیں، دوسری جگہ ان کو میسر نہیں ہے، ہندوستان ان وہابیوں
 کے لئے دارالامن ہے۔“ لے

موصوف نے انگریزوں اور مسلمانوں کی حکومت کا فرق بتاتے ہوئے فرمایا ہے :-
 ” انگلش گورنمنٹ ہندوستان میں خود اس فرقہ کے لئے جو وہابی کہلاتا ہے
 ایک رحمت ہے، جس طرح ہندوستان میں کل مذہب کے لوگوں کو کامل
 آزادی ہے جو سلطنتیں اسلامی کہلاتی ہیں ان میں بھی وہابیوں کو ایسی
 آزادی مذہب ملنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ سلطان کی عملداری میں وہابی
 کا رہنا مشکل ہے۔“ لے

لے حیات جاوید، مصنفہ الطاف حسین حالی، ص ۱۵۷

لے مقالات سرسید، حصہ نم، مطبوعہ لاہور، ص ۲۱۲

لے ایضاً: ص ۲۱۲

سر سید احمد خان صاحب کے مدد و معاون، صلح کلیت کے علمبردار اور ندوے کی کھڑکی کے ٹھیکیدار، علامہ شبلی نعمانی صاحب بھی دیگر وہابیہ کی طرح برٹش گورنمنٹ کے زبردست خیر خواہ تھے۔ ندوۃ العلماء کے ذریعے موصوف کے ہاتھوں حکومت نے اہل حق کو دیا اور باطل پرستوں کا بڑا پر اسرار جال بچھایا تھا۔ حکومت کے بارے میں موصوف کا نظریہ یہ تھا۔

” میں (علامہ شبلی نعمانی - المتوفی ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۲ء) مدت العمر انگریز گورنمنٹ کا بدخواہ نہیں رہا ہوں۔ میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان یگانگت بڑھے اور ایک دوسرے کی طرف سے جو غلط فہمیاں مدت دراز سے چلی آتی ہیں، دور ہوں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ۱۹۰۸ء میں میں نے الندوہ میں ایک مستقل مضمون کے ذریعے ثابت کیا کہ مسلمانوں پر انگریزی حکومت کی اطاعت و فرمانبرداری مذہباً فرض ہے۔“ لے

اے طاہر لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

دیوبندی حضرات کی برٹش نوازی :- یہ وہابیوں کی نفاق آمیز

جماعت ہے۔ دیکھنے میں بظاہر اہلسنت و جماعت اور حنفی المذہب نظر آئیں گے لیکن عقیدے کے لحاظ سے سوفیصد وہابی اور مولوی محمد اسماعیل دہلوی و محمد بن الوہاب نجدی کے پیروکار ہیں۔ اس جماعت کو قائم کرنے والے مولوی رشید احمد گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) ہیں۔ برٹش نوازی میں یہ گروہ بھی دیگر خود کاشتہ پودوں کی طرح اپنے مالی و باغبان کا خوب قدر دان اور استعمار مغرب کا دل و جان سے پاسبان تھا۔ دیوبندی حضرات کی پوری کارگزاری اور اہلی ضد و خال ہماری تحقیقی کتاب معارفِ رضا، جلد اول

لے شبلی نامہ، مصنفہ شیخ محمد اکرم، ۲۴۵

میں بڑے شرح و بسط سے مدلل بیان ہوئے ہیں۔ شائقین حضرات کو اس کا مطالعہ
 مبتدعینِ زمانہ کے بارے میں انشاء اللہ تعالیٰ کوئی تشنگی باقی نہیں رہنے دے گا۔
 ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں جب ظالم و مظلوم اور حاکم و محکوم میں مسلح تصادم ہو گیا
 تھا اور نتیجے میں ایک فریق کی ہلاکت و بردباری یقینی تھی تو گنگوہی صاحب اینڈ کمپنی نے
 حریت پسندوں کا ساتھ دینے کے بجائے برٹش گورنمنٹ کی حمایت میں ان لوگوں سے لڑنا
 ضروری سمجھا جو سردھڑ کی بازی لگا کر آزادی کی فضا میں سانس لینے کے لئے کوشاں تھے۔
 اس سلسلے میں گنگوہی صاحب کے سوانح نگار اور مشہور دیوبندی عالم، مولوی عاشق الہی
 میرٹھی نے ۱۸۵۷ء کا ایک واقعہ یوں تحریر کیا ہے :-

”ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی (مولوی رشید احمد گنگوہی) اپنے
 رفیقِ جانی مولانا قاسم العلوم (مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی) اور طبیبِ روحانی
 اعلیٰ حضرت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے اور بند و قچیوں
 (حریت پسندوں) سے مقابلہ ہو گیا۔ یہ نبرد آزما جہتاً اپنی سرکار کے مخالف
 باغیوں کے سامنے سے بھاگنے والا یا ہٹ جانے والا نہ تھا، اس لئے اٹل
 پہاڑ کی طرح پراجا کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جانثاری کے لئے تیار ہو گیا۔ اللہ
 سے شجاعت و جوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے سبیر کا پتہ پانی اور بہادر
 سے بہادر کا زہرہ آب ہو جائے، وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لئے
 جہمِ غفیر بند و قچیوں کے سامنے ایسے جھمے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ
 لیے ہیں۔ چنانچہ آپ (گنگوہی صاحب) پرفیرین ہوئیں اور حضرت
 حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیر نافت گولی کھا کر شہید بھی ہوئے۔“
 مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی پر جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں حریت پسندوں
 کی جانب سے حصہ لینے کا الزام لگا اور گرفتار ہوئے۔ اس کا تذکرہ موصوف کے
 سوانح نگار نے یوں کیا ہے :-

اے تذکرۃ الرشید، جلد اول، مطبوعہ میرٹھ ۱۹۰۵ء، ص ۴۷

” شروع ۱۹۶۶ء ہجری / ۱۹۴۵ء عہدہ وہ سال تھا جس میں حضرت ام ربیعہ

قدس سرہ پر اپنی سرکار سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا،“ اے

مولوی صاحب موصوف کو گرفتار کر کے جیل میں رکھا گیا، یوں الزام لگانے والوں

کامنڈ بند کر دیا گیا، لیکن جب عدالت میں مقدمہ آیا تو بری کر دئے گئے۔ سانپ بھی
مر گیا اور لاکھی بھی پک رہی۔ اسی بھٹی پر پردہ بھی ڈال دیا گیا اور گنگوہی صاحب کی منطوبیت
کی زمانے میں دھوم بھی مچ گئی۔ لیکن رہائی کی وجہ بتاتے ہوئے سوانح نگار صاحب

نے چوراہے میں بھانڈا پھوڑ دیا۔ انہوں نے بڑے فخر سے فرمایا ہے:-

” جیسا کہ آپ حضرات (گنگوہی صاحب اینڈ کمپنی) اپنی مہربان سرکار کے

دلی خیر خواہ تھے، تازیبیت خیر خواہ ہی ثابت رہے۔“ اے

بہر حال یہ شہادت اگرچہ گنگوہی صاحب کے نامور مرید کی ہے لیکن پھر بھی ذاتی

بیان کے برابر تو اس کی اہمیت نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ دیگر علمائے دیوبند نے یہ بیان

پڑھاؤد ۱۹۴۴ء تک کسی نے اس کی صحت سے انکار نہیں کیا جبکہ انگریزوں کے

زہمت ہو جانے کے بعد ایسے بیانات کی پادر ہوا تا دلیس کی جا رہی ہیں۔

خیر جناب مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے متعلق خود یہ وضاحت فرمائی ہوئی ہے:-

” میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار ہوں تو جھوٹے الزام سے

میرا بال بھی بیگانہ ہو گا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے، اُسے

اختیار ہے جو چاہے کرے۔“ اے

قیام پاکستان سے پہلے ۱۸۵۴ء کی جنگِ آزادی اور اس میں حصہ لینے والوں

کے بارے میں دیوبندی حضرات کی متفقہ رائے کیا تھی۔ یہ مولوی عاشق الہی میر بھٹی

کے لفظوں میں ملاحظہ فرمائیے:-

عہ یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ ۱۲۶۶ھ کے شروع میں غالباً ۱۸۵۹ء ہو گا۔

۱۔ تذکرۃ الرشید، جلد اول، ص ۳۷

۲۔ ایضاً: ص ۷۹

۳۔ ایضاً، ص ۸۰

”جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔“ لے

ملک صاحب! عبارت کے تیور تو ملاحظہ فرمائیے۔ کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ۔۔۔ اپنی گورنمنٹ۔۔۔ رحم دل گورنمنٹ۔۔۔ ان الفاظ میں جو کشش اور جذبات میں جو گہرائی ہے اُس کی داد بھلا کن نفلوں میں دی جائے۔ شاید اسے حالات کی ستم ظریفی ہی قرار دیا جائیگا کہ جب ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو ان حضرات کی اپنی گورنمنٹ، اپنے امن و عافیت کے زمانے کو یوریا بستر میں لپیٹ کر سمندر پار چلی گئی تو اسی وقت سے سارے دہائیوں کو اپنا اپنا نام اپنی رحم دل گورنمنٹ کے بائینوں میں لکھوانا پڑ رہا ہے۔ سورج چڑھا ہوا تھا تو پجاری رہے، غروب ہو گیا تو بدخواہوں میں سر فرست ہونا بتانے لگے۔ قلم ہاتھ میں ہے، حسبِ منشا فیصلہ سنانے لگے۔۔۔ اسی طرح ان حضرات کے حکیم الامت، مولوی اشرف علی صاحب تھانوی سے کسی نے ایک سوال کیا۔ موصوف کا جواب مع سوال ملاحظہ ہو:-

”ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ اگر تمہاری حکومت ہو تو انگریزوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرو گے؟ میں نے کہا محکوم بنا کر رکھیں گے، کیونکہ جب خدا نے حکومت دی تو محکوم بنا کر ہی رکھیں گے، مگر ساتھ ہی اس کے نہایت راحت و آرام سے رکھا جائے گا، اس لئے کہ انہوں نے ہمیں آرام پہنچایا ہے۔“ لے

برٹش گورنمنٹ نے تھانوی صاحب کو جو آرام پہنچایا تھا اس کی ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی (المتوفی ۱۳۶۹ھ / ۱۹۴۹ء) نے اکابر علمائے دیوبند کی میٹنگ میں سب کے سامنے ایک جھک پیش کی تھی۔ جتنے علماء موجود تھے ان

لے تذکرۃ الرشید، جلد اول، مطبوعہ میرٹھ، ص ۷۳

لے الافاضات ایومیہ، جلد چہارم، ص ۶۹۷

میں سے کوئی تردید نہ کر سکا اور نہ ان علماء میں سے کسی نے تردید کی جو وہاں موجود نہیں تھے۔
— آپ تھانوی صاحب کے آرام کی وہ کہانی علامہ شبیر احمد عثمانی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے۔

” دیکھیے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اور
آپ کے مسلم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے
سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپیہ ماہوار حکومت کی جانب سے دئے جاتے تھے۔

اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو
اس کا علم نہ تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے مگر حکومت ایسے عنوان سے
دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گزرتا تھا۔“

یہ تو محض تکلف کی باتیں ہیں کہ ماہوار حکومت کا روپیہ کھاتے اور شبہ بھی نہ گزرتا
کہ روپیہ حکومت کے خزانے سے لیا رہا ہے۔ اگر انہیں پوری طرح معلوم نہ ہوتا تو
یہ کس طرح فرمادیتے کہ انگریزوں نے ہمیں آرام پہنچایا ہے۔ نیز عمر بھر اپنے قدیمی
اور آبائی مذہب اہلسنت و جماعت سے دور نہ بھاگتے اور مبتدعین زمانہ کے ساتھ
مل کر دہابیت کا راگ نہ الاپتے۔ اگر حکومت کے وظیفے کا تھانوی صاحب کو عین یقین
نہ ہوتا تو اپنی حفظ الایمان کی سراسر کفریہ عبارت پر تکفیر ہونے کے باوجود بھی عمر بھر
نہ ڈٹے رہتے۔ بہر حال یہ تو معلوم ہو گیا کہ تھانوی صاحب مزے سے بسم اللہ پڑھ
کر برٹش گورنمنٹ کا وظیفہ کھاتے تھے اور اس کی بڑے سے بڑا کوئی دیوبندی عالم بھی
تردید نہیں کر سکا تھا۔ اس صورتحال پر ادھر تھانوی صاحب پھولے نہ سماتے تھے
اور ادھر حکومت بھی گمن تھی کیونکہ

پھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمے پہ شاد ہے

صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نکل گئی

دیگر فرقہ سازوں اور مبتدعین زمانہ کی طرح برٹش گورنمنٹ کے زیر سایہ پھلنے
پھولنے والے علمائے دیوبند نے جب دیکھا کہ ہندو لیڈروں نے اپنی قوم کو دولت، تعلیم

۱۶ مکالمۃ الصدرین، مرتبہ طاہر احمد قاسمی، ص ۱۶

اور سیاست وغیرہ کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے اور اب ہندو اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو انگریزی راج کی مشینری کو جام کر کے رکھ دیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر اکثر علمائے دیوبند ہندوؤں کے ہاتھوں پک گئے اور خوفِ خدا و خطرہٴ روزِ جزاء کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اُن بُت پرستوں پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ گاندھی کی آندھی میں تنکوں کی طرح اڑنے لگے اور کانگریس کے بندہ بے دام بن کر رہ گئے۔

اس موقع پر سارے قبیلے سے ایک علامہ شبیر احمد عثمانی ہی ایسے نکلے جنہوں نے اپنی جماعت کی پالیسی کے خلاف کانگریس کی ذیلی شاخ یعنی مسلم نماجال جمعیت العلماء ہند سے نکل کر مسلم لیگ کے مطالبہٴ پاکستان کی حمایت کی اور جمعیتہ العلماء اسلام کے نام سے اپنی علیحدہ سیاسی جماعت قائم کر لی۔ ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو اکابر دیوبند کی جو میٹنگ ہوئی رُھتی اُس میں مولوی حفیظ الرحمن سیوہاروی (المتوفی ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء) نے سب کے روبرو علامہ عثمانی صاحب کو مخاطب کر کے یہ انکشاف بھی فرمایا تھا۔

”مولانا حفیظ الرحمن صاحب کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ کلکتہ میں جمعیتہ العلماء اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایما سے قائم ہوئی ہے۔ مولانا آزاد سبحانی جمعیتہ العلماء کے سلسلے میں دہلی آئے اور حکیم دلبر حسن صاحب کے یہاں قیام کیا، جن کی نسبت عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ سرکاری آدمی ہیں۔ مولانا آزاد سبحانی صاحب اسی قیام کے دوران میں پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک مسلمان اعلیٰ عہدیدار سے ملے جن کا نام بھی قدرے شبہ کے ساتھ بتلایا گیا اور مولانا آزاد نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ہم جمعیتہ العلماء ہند کے اقتدار کو توڑنے کے لئے ایک علماء کی جمعیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ گفتگو کے بعد طے ہوا کہ گورنمنٹ ان کو کافی امداد اس مقصد کے لئے دے گی۔ چنانچہ ایک بیش قرار رقم اس کے لئے منظور کر لی گئی اور اس کی ایک قسط مولانا آزاد سبحانی صاحب کے حوالہ بھی کر دی گئی۔ اس روپیہ سے کلکتہ میں کام شروع کیا گیا۔ مولوی

حفظ الرحمن صاحب نے کہا کہ یہ اس قدر لائق تہنیت و تعریف ہے کہ اگر آپ اطمینان فرمانا چاہیں تو ہم اطمینان کرا سکتے ہیں، اے

اسی یٹنگ میں مولوی حفظ الرحمن سیوہاروئی نے تبلیغی جماعت کے بانی، مولوی محمد الیاس صاحب کاندھلوی (المتوفی ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء) کی برٹش نوازی اور ذیلیفہ نوی کے بارے میں یہ وضاحت فرمائی تھی:-

”اس ضمن میں مولانا حفظ الرحمن صاحب نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداءً حکومت کی طرف سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا، پھر بند ہو گیا“ اے

حکومت کی جانب سے مبارک و مقدس ذیلیفہ اسی لئے بند ہوا ہوگا کہ دیوبند کی حضرات نے ایک مرحلے پر آکر اپنے مرتبی انگریزوں سے منہ موڑ کر مشرکین ہند سے رشتہ جوڑ لیا تھا۔ ہندو مسلم بھائی بھائی کے گیت الپے اور محبت کی پیٹنگیں بڑھانی جا رہی تھیں۔ کیونکہ اب ہندوؤں کی جانب سے ان حضرات پر نوٹوں کی بارش ہونے لگ گئی تھی۔ مہا سبھا اور جن سنگھ جیسی اسلام دشمن اور مسلم کش جماعتوں کے کارکن بڑے ادب و احترام اور ذوق و شوق سے تبلیغی جماعت کے اللہ والوں کی خدمت کرنے لگ گئے تھے۔ کمال عقیدت سے ان بزرگوں کے بسترے اٹھاتے، ان پر مورچھل جھلنتے اور انہیں اپنی دھرم شالاؤں میں کھڑاتے تھے۔ بہر حال انگریزوں کی جانب سے امداد کے بند ہونے کا افسوس تو ہوا ہوگا، جس پر تبلیغی جماعت کے اسرار و رموز سے واقف کارندے اور ان کے کمانڈر انچیف صاحب یہ کہتے ہوں گے:-

صبر اُس پر اس ہماری حسرت دیدار کا

بند بس نے کر دیا روزن تری دیوار کا

یہ تو ملک حسن علی صاحب پر بھی بخوبی واضح ہے کہ برٹش گورنمنٹ کے جملہ وفاداروں

اے مکالمۃ الصدرین، مطبوعہ لاہور، ص ۱۱ تا ۱۳

اے ایضاً: ص ۱۳

اور خیر خواہوں سے آبنہانی مرزا غلام احمد قاریانی (المتوفی ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) بازی لے گئے تھے۔ چونکہ یہ حقیقت ان کے اور ہمارے نزدیک مسلمہ ہے۔ لہذا موصوف کے بارے میں کسی تنقیح یا رد میں ضرورت ہی نہیں۔

احقر اب میں عرض کرنا چاہتا ہے کہ ملک صاحب نے تعلیماتِ مجددیہ کے صفحہ

۳۳۴ پر یہ لکھا تھا: —

” ہندوستان میں پھوٹ ڈالنے کے لئے گورنمنٹ برطانیہ نے بہت کھیل کھیلے۔

یہ ایک بڑی طویل اور دردناک داستان ہے۔“ — موصوف شاید اس طویل اور دردناک داستان کے سنانے سے شرماتے اور جھجکتے ہوں گے۔ کیونکہ تاریخ کی روشنی میں انہوں نے اس داستان کا کوئی ادنیٰ سا پہلو بھی بیان نہیں کیا۔ اس ناچیز نے ملک صاحب کی مشکل حل کرتے ہوئے اختصار کے ساتھ یہ داستان بیان کر کے شرعی فریضہ ادا کیا ہے اور جو کچھ عرض کیا وہ مبتدعینِ زمانہ ہی کی مسلمہ تصانیف کی روشنی میں کہا ہے۔ اب حق و باطل اور کھرے کھوٹے کا فیصلہ خود قارئینِ کرام نے کرنا ہے۔ جو فیصلہ آج کیا جائے گا وہ اگلے جہان تک ہر مقام اور ہر موڑ پر اثر انداز ہوتا رہے گا۔ ایسا نہ ہو کہ دنیاوی حیات کا سلسلہ ختم ہوتے ہی فیصلے کی غلطی اپنا رنگ دکھانے لگے، کھوٹے سکوں پر اعتبار اذیت پہنچانے لگے تو اس وقت اپنے فیصلے کی غلطی کا احساس ہو اور اُس وقت کفِ افسوس ملتے ہوئے یوں کہنا پڑے:—

شوقِ گلِ بوسی میں کھ میں نے دئے کانٹوں پہ لب
کس قدر دھوکا دیا رنگِ گلستان نے مجھے

غلط فتوؤں سے بچو: — ملک حسن علی صاحب نے تعلیماتِ مجددیہ

کے صفحہ ۳۳۴ پر فرمایا ہے کہ: — ”ان غلط در غلط فتوؤں سے بچو“ — یہ عبارت پیچھے مکمل نقل کی جا چکی ہے۔ ملک صاحب نے یہ نصیحت بہت خوب فرمائی ہے۔ واقعی غلط در غلط فتوؤں سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ

امر ہے کہ علماء کو غلط فتوے جاری کرنے سے بچنا چاہیے۔ بہر حال اگر کوئی مولوی یا مفتی کسی طمع یا دباؤ کے تحت کوئی غلط فتویٰ جاری کر ہی دیتا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو چاہیے کہ اس فتوے کی پیروی نہ کریں۔ ایسے عالم و مفتی کی صحبت ترک کر دیں اور امور دین میں اس کی عقیدت کا دم بھرنے سے بھڑنا چھوڑ دیں، کیونکہ اس کے پیچھے گنہگاروں کی محبت و عقیدت کا دم بھرنے میں خود اپنا نقصان ہے۔

ملک صاحب کو چاہیے تھا کہ جب یہ نصیحت ہی فرمائی تھی تو دو چار غلط در غلط فتووں اور ان کے صادر کرنے والے علماء کی نشانہ سی کر دیتے تاکہ عام مسلمانوں کے لئے مصلحین و مفسدین میں تمیز کرنا آسان ہو جاتا اور وہ غلط فتوے جاری کرنے والے علماء سے کنارہ کش ہو جاتے موصوف نے تو ایسے فتووں اور غلط در غلط فتوے جاری کرنے والے علماء کی قطعاً نشانہ ہی نہ کی۔ لیکن اس تلخ حقیقت اور المناک داستان کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی سعادت بھی راقم الحروف حاصل کر لیتا ہے، تاکہ موصوف کا یہ بیان محتاج دلیل نہ رہ جائے۔ داستان بھی فتویٰ بازوں کی کتب معتبرہ و معتمدہ کی روشنی میں پیش کی جاتی ہے۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقِ -

وہابیہ کی مسلم کشی

جب سید احمد صاحب رائے بریلوی اور مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی نے برٹش گورنمنٹ کی حدود کو وسیع کرنے کی خاطر یا اپنی ہی عملداری کو بڑھانے کی غرض سے بہاد کے نام پر تحریک چلائی اور لاؤ لشکر لے کر نواحِ پشاور میں جا پہنچے تو جن مسلمانوں نے ان کی بد مذہبی کو دیکھ کر معادنت سے ہاتھ کھینچا یا جو پہلے متفق ہو گئے لیکن صورت حال واضح ہو جانے پر کنارہ کش ہو گئے تو ایسے مسلمانوں کو اس تحریک کے مفتیوں نے منافق، کافر اور مرتد ٹھہرایا۔ انہیں مستحل الدم قرار دیتے ہوئے ان کے ننگ و ناموس پر ڈاکہ ڈالا گیا، ان کے مال و متاع کو مالِ غنیمت شمار کیا۔ چنانچہ اس نام نہاد تحریکِ بہاد کے سرگرم کارکن، مولوی محبوب علی صاحب نے درانیوں کے بارے میں یہ فتویٰ صادر فرمایا تھا:-

” سیکھوں سے زیادہ ان کلمہ گو کافروں پر جہاد فرض ہے۔“ لے
متفق نہ ہونے والے مسلمانوں کے بارے میں مولوی محمد اسماعیل دہلوی کا یہ سنسنی خیز
فتویٰ جاری ہوا تھا:-

” اس موقع پر ذرا تامل سے کام لینا چاہیے کیونکہ یہاں دو معاملے درپیش
ہیں، ایک تو مفسدوں اور مخالفوں کے ارتداد کا ثابت کرنا اور قتل و خون
کے جواز کی صورت نکالنا اور ان کے اموال کو جائز قرار دینا، اس بات سے
قطع نظر کہ وہ ان کے ارتداد پر یا ان کی بغاوت پر مبنی ہے۔ دوسرے یہ کہ
اس کا آیا کوئی سبب ہے یا کچھ اور ہے جبکہ بعض اشخاص کے مقابلہ میں ان کا
مرتد ہونا ثابت ہو چکا ہے اور بعض کے متعلق بغاوت یا اس کا کوئی سبب
اگرچہ پہلا طریقہ ہمارے پاس وہی یعنی تحقیق اور تفتیش کرنا ہے کیونکہ ہم
ان فتنہ پردازوں کوئی الحقیقت مرتدوں بلکہ اصل کافروں میں شمار کرتے ہیں
اور ان کو اہل کتاب کے مثل جانتے ہیں۔“ لے

کیا یہ اسلام و مسلمین سے موصوف کی دشمنی اور عداوت دیدنی نہیں کہ جو مسلمان
وہابیوں سے متفق نہ ہو، وہ مرتد بلکہ اصل کافر ہے اور وہابیوں کے لئے اس کا خون حلال
اس کے مال کو لوٹنا اور اس کی عزت پر ڈاکہ ڈالنا ان کے لئے جائز ہے۔ ان نام نہاد
مجاہدین نے اسی ظالمانہ فتوے پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ واقعی یہی سلوک
کیا اور اپنے مفسدانہ عزائم کا کھل کر ثبوت پیش کر دیا تھا۔ موصوف کے اس غلط در
غلط اور فساد انگیز فتوے کو مولوی ابوالحسن علی ندوی کے ادیبانہ لفظوں میں بھی ملاحظہ
فرمایئے۔ موصوف نے لکھا ہے:-

” پس آپ (سر سید احمد صاحب) کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب
ہوتی۔ جو آپ کی امامت سرے سے تسلیم ہی نہ کرتے یا تسلیم کرنے سے

لے حیاتِ طیبہ، مطبوعہ لاہور، ص ۲۱۸

لے مکتوبات سید احمد شہید، مطبوعہ کراچی، ص ۲۳۱

انکار کر دے وہ باعنی مستعمل اللہ ہے اور اُس کا قتل کفار کے قتل کی طرح
 عین جہاد اور اس کی بے عزتی تمام اہل فساد کی طرح خدا کی عین مرضی ہے،
 اس لئے کہ ایسے لوگ بحکم احادیث متواترہ، کلاب النار اور ملعونین اشرار
 ہیں۔ اس مسئلے میں اس ضعیف (مولوی محمد اسمعیل دہلوی) کا یہی مذہب ہے
 اور معتز ضیہ کے اعتراضات کا جواب تلوار ہے نہ کہ تقریر و تحریر۔

کیا وہابی حضرات اپنے اہم علی الاطلاق کی بتائی ہوئی احادیث متواترہ میں سے ایسی
 کسی ایک حدیث کی نشاندہی کر سکتے ہیں جس میں فرمایا گیا ہو کہ جو سید احمد صاحب کی
 امامت کو تسلیم نہ کرے اُس کا خون حلال اور اُس کی بے عزتی کرنا خدا کی عین مرضی ہے؟
 اگر پیش نہ کر سکیں اور بفضلہ تعالیٰ قیامت تک ایسی ایک بھی حدیث پیش نہیں کر سکیں
 گے تو ہم تلوار کی مفسدانہ زبان میں نہیں بلکہ کلمہ گوئی کا پاس کرتے ہوئے یہی گزارش کرتے
 ہیں کہ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ
 وہابی حضرات غور فرمائیں کہ مسلمانوں کو کلاب النار اور ملعونین اشرار ٹھہرانے والے کس رُجہ
 فسادی تھے؟ جس طرح یہ حضرات مسلمانوں کے اعتراضات کا تلوار کی دھار سے جواب
 دے رہے تھے اگر مسلمان بھی اسی زبان میں وہابیوں کو جواب دیتے تو متحدہ ہندوستان
 کے اندر کیا ایک وہابی بھی بچ گیا ہوتا؟

مسلمانانِ اہلسنت وجماعت جن سے پورا ملک بھرا ہوا تھا وہ ان کی طرح فتنہ و
 فساد برپا نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ صادق مصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کرنا خوارج
 کا خاصا بتایا ہے کہ يَقْتُلُونَ اَهْلَ الْاِسْلَامِ وَيَدْعُونَ اَهْلَ الْاَوْثَانِ۔
 خارجی مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو نظر انداز کریں گے۔ دونوں باتیں خوارج
 زمانہ یعنی وہابیہ نے درست ثابت کر دکھائیں۔ مسلم کشی میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ نیز
 ہندو مسلم اتحاد رچا کر انہیں اپنا بھائی اور پیشوا اور ہنسا بنا کر دکھا دیا۔ واقعی ہمارے آقا و
 مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غیبی علوم سو فیصد سچے ہیں۔ جن میں شک

لہ سیرت سید احمد شہید، جلد اول، ص ۲۸۵

شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔۔۔ اب ملاحظہ فرمائیے کہ نام نہاد امیر المؤمنین، جناب سید احمد صاحب نے امیر قلات، خان خاناں خلیجائی کے نام خط لکھتے ہوئے انہیں ہدایت کی کہ مسلمانوں کا قتل عام کیا جائے اور ان لوگوں کو بزورِ شمشیرِ مطیع کیا جائے۔ موصوف کا وہ ایٹمی فرمان یہ ہے۔

” اپنی فوج اور قبیلہ کو جمع کر کے جناب والا خود غزنی کے نواح میں چھاپے مارنا شروع کر دیں اور اپنے ساتھیوں میں سے بعض کو قبائل اور فوج کی کثیر تعداد کے ساتھ کابل کے اطراف میں مقرر فرمائیں تاکہ یہ بھی منافقین پر شہنوں مار کر اس مقام کو تاخت و تاراج کر دیں اور میں بھی ادھر سے پشاور کے منافقین کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جب منافقین بدکردار کی موجودگی سے وہ مقام پاک ہو جائے تو میں جلال آباد پہنچ جاؤں گا۔ اس طرح مردود منافقین جو پشاور سے قندھار تک پھیلے ہوئے ہیں، ان کے پاؤں ایسے اکھڑ جائیں گے اور ہر شخص جو اپنے خیال میں خود گرفتار ہے، بے دست و پا ہو کر آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکے گا اور ان کا باہم اتحاد و اجتماع دشوار ہو جائیگا۔“

سید احمد صاحب نے اپنی مسلم کشی کا تذکرہ کرتے ہوئے سردار میر عالم خاں باجوڑی کے لئے خط میں لکھا تھا،۔

صورت یہ ہے کہ منافقین کے ساتھ جہاد کرنا بحکم مقدمۃ الواجب ایک واجب معاملہ ہے۔ اس لئے خاکسار سچے مسلمانوں (وہابیوں) کے ساتھ شہرِ پشاور اور قرب و جوار سے بدکردار منافقوں (مسلمانانِ اہلسنت و جماعت) کی گندگی کو پاک کرنے کا مصمم ارادہ کر کے موضع پنجتار تک پہنچ گیا ہے۔“

سید احمد صاحب نے یار محمد خاں حاکم یاغستان کے معتمد و متوسل یعنی احمد خاں بن لشکر خاں کو نواب سے توڑنے اور اپنے ساتھ گانٹھنے کی خاطر مال و دولت کی تحریص

۱۔ مکتوباب سید احمد شہید، مطبوعہ کراچی، ص ۲۷، ۲۸

۲۔ ایضاً: ص ۱۳۵، ۱۳۶

دلاتے ہوئے اپنے خط میں یہ بھی لکھا تھا :-

” اللہ نے چاہا تو اس بادشاہ جبار اور ماکہ قہار کے دبدبہ و قوت سے ان تمام بدکردار منافقوں (مسلمانانِ اہلسنت و جماعت) کی شان و شوکت آسانی سے ہٹوڑے، ہی عرصہ میں خاک میں مل جائے گی۔ انشاء اللہ آپ اُس قادرِ مطلق کی قدرت کا تماشا ملاحظہ فرمائیں اور منافقوں کے ساتھ رواداری کو پروردگارِ عالم کی خاطر اور رضا جوئی پر قربان کر دیں۔ جو اس زمانہ کے سردار دنیوی فائدوں کے حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں اُس سے دُگنی توقع اس شہنشاہِ حقیقی سے جو اس جہان کا خالق ہے، توقع رکھنی چاہیے۔ بارگاہِ الہی سے قومی اُمید ہے کہ اگر آپ دلجمعی کے ساتھ کیسو ہو کر دینِ متین کے معادن میں منسلک ہو جائیں گے تو آپ کو دنیاوی فوائد بھی اس قدر حاصل ہوں گے جو دہم و خیال میں بھی نہیں آسکتے۔“ لے

سید احمد صاحب نے جہاں ریس قلات، خان خانان خلیجانی کو مادی دولت کا لالچ دکھایا، جیسا کہ ابھی مذکور ہوا، وہاں انہیں جھوٹے الہاموں کے جال میں پھنسانے کی بھی پوری طرح کوشش کی تھی۔ چنانچہ اُن کے نام خط لکھتے ہوئے دل کھول کر موصوف نے یوں مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح کذب بیانی کی تھی :-

” پروردگارِ عالم کے کلمہ شہادت کی اشاعت کے لئے کمر بہت باندھیں اور اُس کے لشکر میں شامل ہو کر معرکہ جنگ و قتال میں خود کو دھکیل دیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس سلسلے میں بموجب کلامِ الہی، جس کا وعدہ پکا ہے، فتوحات کے دروازے کھل جائیں گے اور ان اشرار و کفار، منافقین (مسلمانوں) کے بیشمار خزانوں، ملک و مال اور شہروں پر ضرور بالضرور قبضہ حاصل ہو جائے گا..... اس فقیر کو بارہا پردہ غیب سے وارد ہونے والی روحانی باتوں اور ربانی الہام کے ذریعے جہاد کے نافذ کرنے اور کفر و فساد کے دفعیہ کے لئے صاف اور

لے مکتوبات سید احمد شہید، مطبوعہ کراچی، ص ۱۴۱

صریح اشاروں کے ساتھ مامور کیا گیا ہے اور فتح و کامرانی کی سچی بشارتوں کی
خبر دی گئی ہے۔“ ۱

افسوس! موصوف کو اس کارگزاری پر مامور تو انگریزوں نے کیا تھا لیکن کمال جسارت
سے اس کی نسبت الشرب العزت کی طرف کرتے رہے۔ یہ ایسے ہی لوگوں کا دل گردہ
ہے ورنہ ایک عام اور گنہگار قسم کا مسلمان بھی اس بلند و بالا ذات کی جانب جھوٹی نسبت
کے تصور ہی سے لرز اٹھتا ہے۔ بہر حال موصوف نے اپنے ایک خط میں فولاد جنگ بہا
کو بھی ایسے ہی الہاموں کے چکر میں پھنسانے کی یوں کوشش فرمائی تھی :-

” غیبی اشاروں اور بشارتوں کے بموجب، جس میں شک و شبہ کی گنجائش
نہیں، جس کی اس فقیر کو بشارت دی گئی ہے، عنقریب فتح و نصرت
ظہور پذیر ہوگی اور بے شمار خزانے ذلیل و خوار کافروں (مسلمانانِ اہلسنت و
جماعت) کے شہروں سے لے کر دریائے ستلج تک نیک لوگوں (دہابوں)
کے قبضے میں آجائیں گے“ ۲

ملک صاحب! ہوس ملک گیری اور برٹش گورنمنٹ کی حدود کو وسیع کرنے کی خاطر
ان نام نہاد مجاہدین نے سچے اور پکے مسلمانوں کو بھی غلط درغلط فتوے جاری کر کے کافر،
مرتد اور منافق قرار دیا اور ان بیگناہوں کے خون سے ہاتھ رنگنے میں ذرا بھی عار محسوس نہ
کی۔ ایسے فتویٰ بازوں سے بچنے کی مسلمانوں کو نام لے کر تلقین فرمائی ہوتی، لیکن معلوم
نہیں کہ کس مصلحت نے آنجناب کو ان کا نام لینے سے باز رکھا۔

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

مسلمانوں کو کافر ٹھہرا کر لوٹنا۔ سید احمد صاحب، مولوی محمد اسماعیل

۱ مکتوبات سید احمد شہید، مطبوعہ کراچی، ص ۴۹، ۵۰

۲ ایضاً: ص ۲۱۲، ۲۱۳

صاحب دہلوی اور اُن کے رفقاء نے دل کھول کر سرحدی مسلمانوں کا خون بہایا۔ خوب اُن بے گناہوں کے خون سے جہاد کے پردے میں ہولی کھیلی۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ وہاں یہ سچے اور پختے مسلمانوں کو اپنے روزِ اول ہی سے کافر، مرتد اور منافق سمجھتے آرہے ہیں۔ جہاں بس چلے وہاں یہی سمجھ کر سلوک کرتے ہیں۔ جیسا کہ نجدیوں اور ان نام نہاد مجاہدین کی مسلم کشی کے واقعات سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ اگر یہ حضرات قابو پائیں تو مسلمانوں کے اموال کو چھین لینا جائز شمار کرتے ہیں اور اُسے غنیمت کا مال سمجھتے ہیں۔ ان حضرات نے جب ہنڈ کے رئیس، خادی خاں کو قتل کر دیا تو اُس کے مال و متاع کو لوٹ لیا، جس کے بارے میں مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی کا یہ بیان ہے:-

”موصوف (سید احمد صاحب) نے اُس (خادی خاں) کو کیفرِ کردار کو پہنچایا اور اس کا مال تقسیم کر دیا، بلکہ اس کے ہتھیاروں اور گھوڑوں کو بھی ضرورت کے وقت استعمال فرمایا اور اس کے دوسرے مال کو ضبط کر کے مجاہدین پر تقسیم فرما دیا،^۱ یار محمد خاں حاکم یاغستان کی جان و مال کے بارے میں مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے یہ فتویٰ صادر فرمایا تھا:-

”یار محمد خاں بلاشک و شبہ اس معاملہ میں ظلم و تعدی کا رہبر تھا۔ ایسے رہبر کا قتل اور اس کا مال ضبط کرنا بلکہ اس ظالم رہبر کی فوج کا قتل عام اور اس کی فوج کے تمام مال پر ہر قسم کا تصرف کرنا، یعنی اس کی فروخت اور تقسیم حسبِ شرع جائز ہے۔“^۲

کیوں ملک صاحب! ایسے ظلم و ستم، جور و جفا اور فتنہ و فساد کی کوئی حد ہے؟ گھر کی شریعت بنا کر پوری فوج کا قتل عام جائز کر دیا۔ سب کا مال اپنے لئے حلال ٹھہرا لیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جب آنجناب نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ غلط درغلط فتوؤں سے بچیں تو دوچار ایسے ظالمانہ فتوے بھی پیش فرما دیتے اور بتا دیتے

^۱ مکتوبات سید احمد شہید، مطبوعہ کراچی، ص ۲۲۲

^۲ ایضاً: ص ۲۲۵

کہ یہ مسلم کشی کا کھیل صرف برٹش گورنمنٹ کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے کھیلا گیا تھا، لہذا ان سے بچو کیونکہ :-

کرم کوشیاں ہیں، ستم کاریاں ہیں
بس اک دل کی خاطر یہ تیاریاں ہیں

مسلمانوں کی آبروریزی اور منہام نہاد مجاہدین کی عیاشی۔

مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو انہم منہاد مجاہدین نے جس نظر سے دیکھا، کلمہ گوئی اور اہل قبلہ ہونے کا جتنا لحاظ رکھا، اس کی ہلکی سی جھٹک قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر آیا ہوں۔ تفصیلی حالات و دلائل کے شائقین ہمارے کتاب معارفِ رضا، جلد اول کا مطالعہ کریں کہ مبتدعین کے بارے میں اس کے مطالعہ کے بعد بفضلہ تعالیٰ کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی۔ اب ہم معزز قارئین کی خدمت میں یہ چیز پیش کرنا چاہتے ہیں کہ جن حضرات کے بارے میں آج بھی یہ دھوم دھام سے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ اعلیٰ کلمۃ الحق کی خاطر گئے تھے، اپنے پیدا کرنے والے کی رضا جوئی کے لئے انہوں نے وطن کو خیر باد کہا اور تن من دھن کی بازی رگادی تھی۔ اگر حقیقت واقعی یہی ہوتی تو ان کی چند روزہ حکومت میں مسلمانوں پر ہر طرح کی قیامت نہ ڈھائی جاتی۔ اور ہر چیز کے لئے جھوٹا سچا بہانہ مہیا کر لیا ہوگا لیکن مسلمانانِ اہلسنت و جماعت کے ننگ و ناموس پر دن دہاڑے ڈاکہ ڈالنے کا جواز کیا تھا! ان کی بہو بیٹیوں سے زبردستی نکاح کر لینا کوئی شریعت میں جائز آیا ہے؟ بہر حال وہ حضرات تو اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے تھے لیکن ان کی عقیدت کا دم بھرنے والے اگر آج بھی انصاف سے کام لیں تو آپس کی بہت سی الجھنیں دور ہو سکتی ہیں۔ اب ان حضرات کے اخلاقی کارناموں کی کہانی مرزا حیرت دہلوی کی زبانی سنئے :-

”سید صاحب نے صد ہا غازیوں کو مختلف عہدوں پر مقرر فرمایا تھا، جو شرعِ محمدی کے موافق عمل درآمد کریں، مگر ان کی بے اعتدالیاں حد سے

بڑھ گئی تھیں۔ وہ بعض اوقات، نوجوان خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے نکاح کر لیں اور بعض اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ عام طور پر دو تین دوستیزہ لڑکیاں جا رہی ہیں، مجاہدین میں سے کسی نے انہیں پکڑا اور مسجد میں لے جا کر نکاح پڑھا لیا۔^۱

مک صاحب! عورت تو فرمائیے کہ اگر ان نام نہاد مجاہدین کی لڑکیوں سے جو ابی طور پر اسی طرح نکاح پڑھا لے جاتے یا آج ایسا ہونے لگے تو کیا ایسا کرنا کسی کو ناگوار خاطر نہیں ہوگا؟ یقیناً ناگوار ہوگا۔ عورت تو فرمائیے کہ جن غریب مسلمانوں کی لڑکیوں کو یہ حضرات زبردستی اپنی عیاشی کا سامان بنا لیتے تھے۔ ان بیچاروں کے دلوں پر کیا گزرتی ہوگی؟ کیا ایسے شریف انسان ہی جہاد کیا کرتے ہیں؟ آخر اس رذیل کا وہی نتیجہ تو نکل سکتا تھا جو بالاکوٹ کی سرزمین میں سامنے آ کر رہا، کیونکہ :-

ع جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آئین کا

مک صاحب! یہ طرزِ عمل تو آپ کے مجاہدین کی کنواری لڑکیوں سے متعلق تھا۔ اب ان حضرات کی دینداری، بیوہ عورتوں کے بارے میں ملاحظہ فرمائی جائے۔ مولوی محمد اسمعیل دہلوی کے سوانح نگار مرزا حیرت دہلوی نے اس سلسلے میں یہ وضاحت کی ہے :-

” یہ محض ناممکن تھا کہ نوجوان عورت رانڈ ہو کے، عدت کی مدت گزر جانے پر بے خاندان بیٹھی رہے۔ اُس کا جبراً نکاح کیا جاتا تھا، خواہ اس کی مرضی ہو یا نہ ہو۔“^۲

اسمعیل شریعت پر عمل کرنے والوں کا یہ طرزِ عمل پیش کرتے ہوئے مرزا صاحب موصوف نے یہ بھی لکھا ہے :-

” ایک نوجوان خاتون نہیں چاہتی کہ میرا نکاح ثانی ہو مگر مجاہد صاحب زور دے رہے ہیں، نہیں ہونا چاہیے۔ آخر ماں باپ اپنی لڑکی کو حوالہ مجاہد کرتے تھے اور ان کو کچھ چارہ نہ تھا۔“^۳

^۱ حیاتِ طیبہ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۲۲۲

^۲ ایضاً: ص ۲۲۲

^۳ ایضاً: ص ۲۲۲

شاید کوئی وہابی صاحب اس بات پر ناراض ہوں کہ ہمارے مجاہدین کی عیاشی اور
 خلافتِ دین و دیانت حرکت کو اسماعیلی شریعت کیوں کہا ہے، وہ مولوی محمد اسماعیل صاحب
 کے حکم سے تو ایسا نہیں کرتے تھے۔ اس صورت میں ہم عرض گزار ہیں کہ وہ نام نہاد
 مجاہدین اپنے اینگلو انڈین امیر المؤمنین کے حکم سے ہی ایسا کر رہے تھے، امام الوبابہ
 کے فتوے پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں کی آبروریزی کی جا رہی تھی۔ ان حضرات کے مہری
 دستخطی حکم ہی کے تحت بد چلتی کی داد دیتے ہوئے دن دہاڑے مسلمانوں کی عزت پر ڈاکہ زنی
 کی جاتی تھی۔ تسکینِ خاطر کے لئے امام الوبابہ کے سوانح نگار جناب مرزا حیرت دہلوی کی پیش
 کردہ یہ وضاحت ملاحظہ ہو :-

”بد قسمتی سے ایک نیا گل کھلا۔ گل کیا کھلا گو یا غازیوں یا مجاہدوں کی زندگی
 کے شیرازے کو اُس نے پر اگندہ کر دیا۔ باہم یہاں کے گل عمال نے، جن
 کی تعداد ہزار سے بھی بڑھی ہوئی تھی ایک فتویٰ مرتب کیا اور اُسے پوشیدہ
 مولوی محمد اسماعیل کی خدمت میں بھیج دیا۔ فتویٰ کا مضمون یہ تھا کہ بیوہ کا نکاح
 ثانی فرض ہے یا نہیں؟ مولانا شہید کیا واقف تھے کہ ملک پشاور میں یہ
 آگ پھیل رہی ہے اور اس وقت میں، اس فتوے کی اشاعت سخت غضبناک
 ہوگی۔ آپ نے سادہ طور پر اُس پر اپنی مہر کر دی اور سید صاحب کی بھی اُس
 پر مہر ہو گئی اور پھر وہ فتویٰ قاضی شہر پشاور، سید مظہر علی صاحب غازی
 کو بھیج دیا گیا۔ انہوں نے اس فتوے کی اشاعت ہی پر قناعت نہ کی بلکہ
 یہ اعلان دے دیا کہ تین دن کے عرصہ میں ملک پشاور میں جتنی رانڈیں ہیں
 سب کے نکاح ہو جانے ضرور ہیں ورنہ اگر کسی گھر میں بے نکاح رانڈ رہ
 گئی تو اُس گھر کو آگ لگا دی جائے گی۔“

کیوں ملک صاحب! جس گھر میں کوئی بیوہ بغیر نکاح کے بیٹھی ہو کیا شریعتِ محمدیہ
 اُس گھر کو آگ لگا دینے کی اجازت دیتی ہے؟ کیا شریعتِ محمدیہ نے نکاحِ ثانی کو فرض

قرار دیا ہے؛ ہر پڑھا لکھا اور انصاف پسند ہی کہے گا کہ وہ ظلم و ستم کی المناک داستان اور شریعت پر افترا ہے۔ اگر دل میں خوفِ خدا اور خطرہٴ روزِ جزاء کے نام کی کوئی چیز باقی ہوتی تو برطانوی امیر المؤمنین اور امامِ اہلِ ہند صاحبِ ہرگز اس ظالمانہ و غیر اسلامی فتوے کی تصدیق نہ کرتے بلکہ صاف فرمادیتے کہ نکاحِ ثانی کو شریعتِ مطہرہ نے فرض یا واجب قرار نہیں دیا بلکہ یہ ایک جائز امر ہے لیکن اسے عار سمجھنا بہالت ہے۔ اگر وہ حضرات ایسا فرماتے تو شریعتِ محمدیہ پر عمل ہو جاتا جبکہ مقصود تو اسماعیلی شریعت کا اجرا تھا۔ عیاشی، بد چلنی اور آبروریزی کے ریکارڈ قائم کرنے کھتے۔

مک صاحب! ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ: — آپ نے سادہ طور پر اس پر اپنی مہر کر دی — سید صاحب کی بھی اس پر مہر ہوگی — ان فقروں سے کیسی معصومیت ٹپک رہی ہے۔ بھولے بھالے لفظوں سے دین و دیانت، تقویٰ اور طہارت، خلوص و لہیت اور اتباعِ شریعتِ مطہرہ کے تقاضے پورے کرنے کی کسی کوشش کی گئی ہے۔ کاش! یہ حضرات بد چلنی کے ایسے شرمناک مظاہرے نہ کرتے اور طاقت کے نشے میں چور ہو کر مسلمان عورتوں کی عصمتِ درمی کو اپنا شعار نہ بناتے۔

کیا فرماتے ہیں اہلِ محدث، دیوبندی اور جماعتِ اسلامی قسم کے تزنگے علماء کہ جو نکاح اُن نام نہاد مجاہدین اور آپ کے غازیوں نے جبراً کئے تھے جن کے لئے وہ مسلمان لڑکیاں اور بے بیوہ عورتیں بالکل رضامند نہیں تھیں۔ نیز اُن کے اولیاء کی مرضی بھی نکاح دینے کی نہ تھی، کیا از روئے شرع وہ نکاح ہو گئے تھے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو دلائل سے مطلع فرمائیں۔ اگر دلیل نہ پائیں اور یقیناً نہیں پائیں گے تو دریں حالات اپنے غازیوں کے کردار کے بارے میں آنجناب کی رائے کیا ہے نیز ایسے نکاحوں سے پیدا ہونے والے وہابیوں کے حلالی ہونے کا اگر کوئی ثبوت ہے تو از راہِ کرم اس سے مطلع فرمائیں تاکہ بد چلین لوگوں کو سہارا ملے اور وہ آپ حضرات کے ہمیشہ ممنون کرم اور بندہٴ بے دام رہیں — اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو اپنے برطانوی امیر المؤمنین کا اسماعیلی شریعت کے تحت یہ نادر شاہی اعلان بھی ملاحظہ فرمائیے۔

”آپ (سید احمد صاحب) نے ایک فرمان جاری کیا کہ جتنی کنواری لڑکیاں ہیں وہ سب ہمارے یفٹینٹ کی خدمت میں مجاہدین کے لئے حاضر کی جائیں، اگر ان کی شادی بارہ دن میں نہ کر دی گئی، قوم کی قوم اس اعلان سے بھڑک اٹھی۔“ لے

مسلمان قوم کا بھڑک اٹھنا تو فطری بات تھی۔ بھلا اس طرح اپنی بے عزتی اور آبروریزی برداشت کرتا بھی کون ہے لیکن ان نام نہاد مجاہدوں اور غازیوں میں سے تو ایک بھی ایسا بغیرت مند اور جیانا نکلا جو اس بے راہ روی اور بد چلنی سے انہیں روکتا۔ اسمعیلی شریعت کو ترک کرنے اور شریعت محمدیہ پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا، خوفِ خدا اور خطرہ روزِ جزا یاد دلاتا۔ اس کے باوجود وہابی حضرات یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے ان مجاہدوں اور غازیوں نے ہر طرح سے صحابہ کرام کے مقدس دور کی یاد تازہ کر دی تھی۔ حالانکہ برٹش گورنمنٹ کے جانثاروں کو شمع رسالت کے پروانوں سے کیا نسبت! خالی بیان بازی سے حقیقت بدل نہیں جاتی۔ مانا کہ پروپگنڈے سے ظاہری چمک پیدا ہو جاتی ہے لیکن اصلیت پر خواہ کتنے ہی پردے ڈالے جائیں لیکن کسی نہ کسی روز وہ بے نقاب ہو کر ہی رہتی ہے کیونکہ :-

بھلانے پہ بھی قصہٴ عہدِ ماضی
بھلایا نہ جائے گا تم سے نہ ہم سے

برطانوی امیر المومنین کی جہان بینی :- برٹش گورنمنٹ کے اس

ہراول دستے نے مسلمانوں کی جان و مال اور ننگ و ناموس کے ساتھ جو سلوک کیا، اس کی جھلکیاں قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر دی ہیں۔ چنانچہ کچھ عرصے کے لئے ان حضرات کو کھوڑے سے علاقے پر تسلط و قبضہ مل گیا تھا۔ انہوں نے امیر المومنین بن کر اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ اب قارئین یہ ملاحظہ فرمائیں کہ ان حضرات کا وجود

لے حیاتِ طیبہ، مطبوعہ لاہور، ص ۲۴۷

مسلمانانِ اہلسنت وجماعت کے لئے رحمت ثابت ہوایا یہ حضرات اسمعیلی شریعت کے تحت جہانیاں کے پردے میں بھی اُن پر قیامت ہی ڈھاتے رہے تھے۔ مرزا حیرت دہلوی نے سید احمد اینڈ کمپنی کی انتظامی صلاحیتوں کا نقشہ ان لفظوں کھینچا ہے :-

” ایک ایک ضلع، قصبہ اور گاؤں میں ایک ایک عمال سید صاحب کی طرف

سے مقرر ہوا تھا وہ بے چارہ ہر سانداری کیا خاک کر سکتا، اُلٹے سیدھے

شریعت کی آرٹ میں نئے نئے احکام بے چارے غریب کسانوں پر جاری

کرتا تھا اور وہ اُن نہ کر سکتے تھے۔ کھانا پینا، بیٹھنا اٹھنا، شادی بیاہ

کرنا سب کچھ اُن پر حرام ہو گیا تھا۔ نہ کوئی منظم تھا، نہ کوئی دادرس تھا....

ذرا کسی کی بسیں بڑھی ہوئی دکھیں، اُس کے لب کتر وادیئے۔ ٹخنوں کے

نیچے تہ بند دکھی، ٹخنہ اڑا دیا۔ تمام ملک پشاور پر آفت چھا رہی تھی۔ انتظام

سلطنت اُن مسجد کے ملائوں کے ہاتھ میں تھا جن کا جیس سوائے مسجد کے

دیوار درس کے کبھی کچھ نہ رہا تھا اور اب اُن کو منظم امورِ سلطنت بنا دیا گیا

تھا اور پھر غضب یہ تھا کہ اُن پر کوئی حاکم مقرر نہ تھا کہ پبلک اُن کی اپیل اعلیٰ

حکام کے آگے پیش کرے۔ ان ہی بے دماغوں کے فیصلے ناطق سمجھے جاتے

تھے اور تسلیم کر لیا جاتا تھا کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس میں کوئی بات بھی

قابلِ تنسیخ اور ترمیم نہیں ہے۔ کیسا ہی پیچیدہ مقدمہ ہوتا تھا، اُس کی گھڑی

بھر بھی تحقیق نہ کی جاتی تھی، نہ اُس پر غور کیا جاتا تھا۔ بس ملاں جی کے

سامنے گیا اور انہوں نے پھٹ سے فیصلہ دے دیا۔ کون جھک جھک

کرے اور کون تحقیق کی تکلیف برداشت کرے؟ سید صاحب کی

خدمت میں شکایتوں کی عرضیاں گزر رہی تھیں لیکن وہاں کچھ بھی پریش

نہ ہوتی تھی۔“ لے

ملک صاحب! یہی وہ قدسی جماعت ہے جس کے وجود پر پاک و ہند کے رنگے

وہابیہ کو حد سے زیادہ ناز ہے۔ اپنے مایہ ناز اسلاف کی جہان بینی و جہان نداری کے کارنامے بھی ملاحظہ فرمائیے۔ یہ سب کچھ سید احمد صاحب اور مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی نگرانی میں ان کے آنکھوں دیکھتے ہو رہا تھا۔ مسلمانوں پر قیامت گزرتی رہی لیکن ان حضرات کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ جوں کیوں رنگتی جبکہ وہ خود ہی تو اپنی زیر نگرانی مسلمانوں کے ساتھ یہ سلوک کر رہے تھے۔ نجدی وہابیوں کی تاریخ ہندی وہابیوں نے بھی دہرا کر دکھادی۔ صاف دکھا دیا کہ وہابیہ کو جہاں بھی قبضہ ملے گا، یہ وہاں کے مسلمانوں پر بلا تے ناگہانی بن کر ٹوٹیں گے۔ ان کی حکومت میں مسلمانوں پر عرصہ جیات یقیناً تنگ ہو کر رہ جائے کیونکہ خارجیت کا خاصہ ہی یہ ہے کہ مسلمانوں سے خار، بت پرستوں سے پیار۔

دہانی حضرات میں سے ایک جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی ہیں۔ انہوں نے جماعت اسلامی کے نام سے ایک تازہ فرقہ ایجاد فرمایا ہے جو کتاب و ہدایت کا سیاست امینراہڈیشن ہے۔ موصوف کی یہ خاصیت ہے کہ بغیر ذاتی تحقیق کے وہ کسی کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور آیات و احادیث کے مفہوم و مطالب بھی اپنی ہی تحقیق کی روشنی میں ایجاد فرماتے رہتے ہیں۔ اسی لئے اپنے معتقدین میں آپ کو محقق اور بہت بڑا منکر مانا جاتا ہے۔ موصوف نے سید احمد اینڈ کمپنی کی جہان بینی و جہان نداری کے بارے میں اپنی تحقیق یوں پیش کی ہے۔

”ان (سید احمد اینڈ کمپنی) کو ایک چھوٹے سے علاقہ میں حکومت کرنے کا جو کھوڑا سا موقع ملا، انہوں نے ٹھیک اسی طرح کی حکومت قائم کی جس کو ”خلافت علی منہاج النبوة“ کہا گیا ہے۔ وہی فقیرانہ امارت، وہی مساوات، وہی شوری، وہی عدل، وہی انصاف، وہی حدود شرعیہ، وہی مال کو حق کے ساتھ لینا اور حق کے مطابق صرف کرنا، وہی مظلوم کی حمایت اگرچہ کمزور ہو اور ظالم کی مخالفت اگرچہ قوی ہو، وہی خدا سے ڈر کر حکومت کرنا اور اخلاق صالحہ کی بنیاد پر سیاست چلانا۔ غرض ہر پہلو میں انہوں نے اس حکمرانی کا نمونہ ایک مرتبہ پھر تازہ کر دیا جو صدیق و فاروق نے کی تھی“ لے

لے تجدید و احیائے دین، مطبوعہ لاہور، بارہم، ص ۱۱۶، ۱۱۷

قارئین کرام کی خدمت میں ہم نے اینگلو انڈین امیر المؤمنین کی اسماعیلی شریعت کے تحت جھکیاں تاریخ کی رشتی میں پیش کی ہیں اور وہ بھی وہاں کی کتب معتبرہ مشہورہ سے۔ اگر ہم سے غلطی ہوئی ہے تو مودودی صاحب ہمیں ان کی عدم صحت یا غلطی سمجھا دیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو قبول کرنے کے لئے ہمیشہ تیار پائیں گے۔ اگر موصوف اتنی مہربانی بھی کریں کہ اس بجا رہتا میں اپنے ام علی الاطلاق کی حکومت کے جتنے خصائص بتائے اور گنائے ہیں ان کی صحت پر تاریخ کے معتبر شواہد بھی قائم فرمادیں، تاکہ ہمیں بھی اپنی غلطی کا پوری طرح احساس ہو جائے۔ اگر وہ ایسے دلائل و شواہد پیش کرنے سے عاجز رہیں تو یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ موصوف ان حضرات کی محبت و عقیدت میں اس درجہ مبتلا ہیں کہ ان کی خامیاں بھی خوبوں کی شکل میں نظر آنے لگی ہیں اور جو اس صورت حال سے دوچار ہو اُسے معذور سمجھتے ہوئے ہم یہ شکر سنا دیا کرتے ہیں۔

خار کو گل اور گل کو خار جو چاہے کرے
تُو نے جو چاہا کیا، اے یار جو چاہے کرے

مک صاحب، واقعی ایسے غلط درغلط فتووں سے بچنا چاہیے اور ایسے فتویٰ بازوں، فتنہ بازوں سے کوسوں دور رہنا چاہیے اور جو آج بھی ایسے لوگوں کی محبت کا دم بھرے، ان کی پیروی میں جئے مرے، اُسے سمجھانا چاہیے کہ اے کلمہ طیبہ کے ہمراہی! کیوں کسی کے پیچھے لگ کر اپنی عاقبت کی تباہی پر ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ مان جائے تو اُس کا بھلا ورنہ

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ -

امام احمد رضا خاں پر حملہ :- مک حسن علی صاحب نے وہاں بیت

کے باعث حُبِ علی میں اکابر دیوبند کی حمایت اور بغضِ معاویہ میں مجددانہ حاضریہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت کو ضروری شمار کیا، اسی لئے اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر فریقین کا ذکر یوں کیا ہے :-

”مولانا احمد رضا خاں صاحب نے ان تمام دیوبندی بزرگواروں اور ان سے عقیدت رکھنے والوں کو تکفیر کا نشانہ بنایا، انہیں مرتد قرار دیا، انہیں کشتنی

اور گردن زدنی قرار دیا۔ اپنے رسالوں اور فتووں میں ایسے گندے عقیدے جو بالکل منافی اسلام ہیں اور جن کی نقل سے روح ایمانی لرزتی ہے، اُن کی طرف منسوب کئے۔ نازلیت احمد رضا خاں صاحب کا یہ مشن جاری رہا، لے اگر ملک صاحب کا یہ دعویٰ حقائق و واقعات کی روشنی میں درست ہوتا تو یقیناً وہ ہمیں بھی اپنا ہمنوا پاتے۔ لیکن صورت حال ملک صاحب کے دعویٰ کے بالکل برعکس ہے۔ اسی لئے انہوں نے قطعاً کوئی فتویٰ یا ایسی عبارت کی نشاندہی نہیں کی جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے علمائے دیوبند کی جانب منسوب کی ہو اور وہ اُن حضرات کی تصانیف میں نہ پائی جاتی ہو۔ جب اس بات کو چھیڑ ہی دیا تھا تو اپنے دعوے کو مدلل بھی کرنا تھا۔

ملک صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ اور علمائے دیوبند کا ذاتی یا گھریلو معاملہ نہیں بلکہ شریعت مطہرہ کا مسئلہ ہے۔ عظمتِ خداوندی اور شانِ مصطفویٰ کا مرحلہ ہے۔ علمائے دیوبند کی جن عبارتوں پر تکفیر کی گئی تھی اگر وہ عبارتیں تخریر الٹا براہین قاطعہ اور حفظ الایمان وغیرہ کتب و رسائل میں اسی طرح موجود نہ ہوں تو امام احمد رضا بریلوی نور اللہ مرقدہ پر ضرور الزام عائد کرنا چاہیے تھا، لیکن جب وہ عبارتیں اسی طرح علمائے دیوبند کی تصانیف میں موجود، اُن کا کفر یہ ہونا آفتابِ نیمروز کی طرح روشن و واضح اُن میں سے کسی بھی عبارت کے اندر ایک بھی اسلامی پہلو ثابت کرنے سے وہ مصنفین اور اُن کے سارے حمایتی عاجز، دریں حالات ملک صاحب کے نقطوں میں یہی تو کہا جائے گا کہ علمائے دیوبند کے عقائد واقعی گندے، منافی اسلام اور روحِ ایمان کو لرزانے والے ہیں۔ **اللَّهُمَّ اهْدِهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔**

ستم ظریفی تو ملاحظہ ہو کہ اُن علمائے دیوبند نے ذاتِ سبح و قدوس کو کاذب بالفعل تک کہا، شیطان لعین کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اَعْلَم اور اَوْسَعِ عَلِمًا ٹھہرایا، نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بلحاظ زمانہ آخری نبی ہونے کا انکار کر کے تیرہ سو سال بعد خاتمیت مرتبی کے نام سے ایک نئی خاتمیت گھڑی اور مرزا غلام احمد قادیانی

لے تعلیماتِ مجددیہ، مطبوعہ چٹان پریس لاہور، ص ۳۳۱

کے ادعاے نبوت کے لئے راستہ ہموار کیا نیز سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم غیبیہ کثیرہ، عظیمہ، وافرہ، مختصہ کوچوں پاگلوں اور جانوروں کے علوم جیسا بتایا اور ان خرافات کو خوب مشہر کیا۔ چاہیے تو یہی تھا کہ ہر مسلمان کہلانے والا ان کی بات تک نہ سنتا، ان سے دور بھاگتا اور ان کی محبت و عقیدت کو اپنے دل و دماغ کے قریب بھی نہ پھٹکنے دیتا۔ کیونکہ جو اللہ رب العزت ہی کو جھوٹا بتانے لگے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان گھٹانے لگے، ایک سچے مسلمان کا اُس سے تعلق ہی کیا؟ اُس کا مولوی و عالم وغیرہ ہونا بیکار خواہ وہ علم میں شیطان کا ہم پلہ بھی کیوں نہ ہو۔

مسلمانوں کو اس مرحلے پر ایسا ہی کرنا چاہیے تھا اور واقعی انہوں نے ایسا ہی کیا۔ بیشک چنیں و چناں کا ساتھ چھوٹا لیکن اللہ اور رسول (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے رشتہ نہ ٹوٹا۔ افسوس اس آزمائش کے موقع پر بعض لوگوں نے اللہ اور رسول کا ساتھ چھوڑ کر عظمتِ خداوندی اور شانِ مصطفویٰ پر حملہ آور ہونے والے علماء کا ساتھ دینے میں ہی اپنی بہتری سمجھی۔ علماء کی ایسی ہی محبت و عقیدت کے بارے میں تو قرآن کریم میں آیا ہے کہ اِتَّخَذُوا اَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ اٰبَاءًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ۔ جب آدمی اس منزل تک پہنچ جائے تو اُس کا دین و ایمان محض ایک رسمی و روایتی چیز بن کر رہ جاتا ہے۔ زبانی دعویٰ اگرچہ قائم رہتا ہے لیکن اللہ اور رسول سے ایسے مسلمانوں کا تعلق ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ ملک صاحب نے اس صدی کے مجددِ برحق کے خلاف نفرت پھیلانے کی غرض سے یہ ہوائی بھی اڑائی ہے۔

و تکفیر کے فتوؤں کے لئے چونکہ فقہائے احناف اور عقائد و کلام کے آئمہ کے اصول و قواعد اور ضابطے مولانا احمد رضا خاں صاحب کا ساتھ نہیں دیتے اس لئے تکفیر کی عمومی اشاعت کے لئے اور اس کے حلقے کو وسیع کرنے کے لئے خود قواعد وضع کئے گئے۔

ملک صاحب! ہم سب نے ایک روز یقیناً اپنے پیدا کرنے والے کی بارگاہ میں

پیش ہونا ہے۔ کیا بارگاہِ خداوندی میں آپ اس امر کا ایک ثبوت بھی پیش کر سکیں گے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی نے فقہائے احناف اور متکلمین حضرات کے بتائے ہوئے اصولوں اور ضابطوں کو چھوڑ کر تکفیر کے حلقے کو وسیع کرنے کی غرض سے فلاں قاعدہ وضع کیا تھا۔ یقیناً آپ ایک بھی ایسے اصول یا قاعدے کی نشاندہی نہ کر پائیں گے۔ اب یہ ملک صاحب کی اپنی مرضی ہے کہ وہ سو فیصد جھوٹ کا ساتھ دیں یا حق و صداقت کا۔ افسوس! چودھویں صدی میں جس مردِ حق آگاہ نے سرمایہ ملت کی نگہبانی کی، لصوصِ دین کے شر کو مٹایا، کھرے اور کھوٹے کو علیحدہ کر کے دین کی تجدید فرمائی۔ اسی امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر ملک صاحب نے دشمنانِ رسول کی حمایت کرتے ہوئے یوں الزام تراشی بھی کی ہے:-

الغرض مولانا احمد رضا خاں صاحب نے ان مجاہدینِ ملت اور ان عاشقانِ

رسول کو اپنے قلم و دہان سے سخت سے سخت اور سنگین سے سنگین سزا

فتوؤں کی صورت میں، جو ان کے امکان میں تھی، دی۔“ لے

ملک صاحب! علمائے دیوبند کی وہ کفریہ عبارتیں تا حال ان کی تصانیف میں موجود

ہیں، وہ کتابیں عبرانی یا لاطینی زبان میں نہیں ہیں کہ ان کا مفہوم کوئی سمجھ نہ سکا۔ آسان اردو

کی عبارتیں ہیں۔ ان کے مطالب و معانی باسکل واضح ہیں۔ اللہ اور رسول کی شان میں ایسے

نازیبا لفاظ بھی لکھے ہیں جن کی کھلے کافروں کو بھی کبھی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ مقدس

شجرِ اسلام میں دل کھول کر غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں رگانی ہیں۔ یہ سب کچھ ملک صاحب

کے مجاہدینِ ملت اور عاشقانِ رسول نے خود کیا۔ یعنی خود انہوں نے وہ عبارتیں لکھیں، خود

ان کی نشر و اشاعت کی اور برٹش گورنمنٹ کی خوشنودی حاصل کرنے اور وظیفے ایمنٹنے کی

خاطر خود گمراہ گرتی کا ایک نہ ختم ہونے والا چکر چلایا تھا۔

مجدد مائتہ حاضرہ، امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کام تو صرف اتنا ہے

کہ انہوں نے ازراہ خیر خواہی مسلمانوں کو بروقت آگاہ کر دیا تھا کہ فلاں فلاں حضرات

لے تعلیماتِ مجددیہ، مطبوعہ لاہور، ص: ۳۳۳

نے اپنی فلاں فلاں کتابوں میں، اُن کے فلاں فلاں صفحات پر یہ انتہائی گندی، غیر اسلامی اور ایمان کے منافی عبارتیں لکھی ہیں اور خوب اُن کی نشرو اشاعت کر کے بھولے بھالے مسلمانوں کو بھی اپنے ہی ساتھ جہنم کا ایندھن بنانا چاہتے ہیں۔ وہ حضرات تو کسی کے بہکانے اور بہلانے پھسلانے سے عظمتِ خداوندی اور شانِ مصطفویٰ کو فراموش کر چکے، خوفِ خدا و خطرہٴ روزِ جزاء سے عاری ہو گئے لیکن مسلمانوں کو چاہیے کہ اُن کے پیچھے لگنے، اُن کی باتوں پر کام دھرنے اور اُن کی عقیدت، کادِم بھرنے سے اپنا ایمان ضائع نہ کر بیٹھیں۔ بس یہی فریضہ ادا کیا جاتا۔

معلوم کچھ ایسا ہوتا ہے کہ ہمارے ملک صاحب، اور اُن کے ہم مشرب حضرات کے نزدیک چور مجرم نہیں بلکہ مجرم وہ ہے جو چور کی نشاندہی کرے اور ایسے کھٹوس ثبوت فراہم کر دے کہ چور کے لئے بھی انکار کرنے اور گم کرنے کا کوئی راستہ نہ رہ جائے۔ ملک صاحب! اگر تحذیرِ الناس، براہینِ قاطعہ اور حفظِ الایمان و حیزہ کتابوں کے مصنفین بھی مجاہدینِ ملت اور عاشقانِ رسول ہیں تو ہم خدائے ذوالمنن کی بارگاہ میں بصدِ عجز و نیاز دعا کرتے ہیں کہ وہ کریمِ محض اپنے فضلِ دکریم سے ہمیں اُس ملت سے دُور رکھے جس کے یہ حضرات مجاہد ہیں اور ایسے عاشقانِ رسول کے شر سے محفوظ و مامون رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اہلسنت و جماعت کے مذہب پر ثابت قدم رکھے اور بزرگانِ اہلسنت کے ساتھ ہمارا حشر نشر فرمائے۔ آمین یا ایلٰہ العالمین۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَ تَبَّ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ وَ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيَّ وَ عَلَىٰ آلِيهِ وَ صَحْبِهِ أَجْمَعِينَ۔

گدائے درِ ادبیاء۔ عبدالحکیم خاں اختر
مجددی، مظہری، شاہجہان پوری

لاہور

تاثرات

راقم الحروف جب ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء میں امام احمد رضا کے متعلق لکھ کر فارغ ہو چکا تھا تو اس کے بعد بعض متعلقہ کتابیں حسن اتفاق سے بافیض رضا کی بدولت دستیاب ہو گئیں، جن کے باعث نقل سکیپ سائز کے پانچ سو صفحات کی معارف رضا ایک ہزار صفحات تک اسی سال کے آخر میں جا پہنچی۔ ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء میں احقر کا مقالہ "اعلیٰ حضرت بریلوی کا فقہی مقام" مرکزی مجلس رضا لاہور کے زیر اہتمام منظر عام پر آچکا تھا۔ علمائے کرام نے اسے پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا اور مختلف رسائل و جرائد نے اس پر تبصرے کیے۔ مثلاً فیض رضا لاہور نے لکھا:

"اعلیٰ حضرت، مجدد ملت، مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ العزیز کو دیگر علوم و فنون کے علاوہ علم فقہ میں بھی وہ بلند مقام اور عظیم مرتبہ حاصل ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کے علمی کمالات کا لوہا عرب و عجم نے بھی مانا ہے اور آپ کے بلند ترین علمی مقام و مرتبہ کا مخالف علمائے بھی اعتراف کیا ہے۔

اختر شاہ جہا پوری نے اسی موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور نہایت محنت و عرق ریزی کے ساتھ تفصیلی طور پر اعلیٰ حضرت کے کمالِ فقہیت کا مخالف معاصر علماء کی فقہیت سے موازنہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے کمالِ فقہیت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ادارہ مرکزی مجلس رضا لاہور لائق صد تحسین و مبارکباد ہے کہ وہ ایسی ایسی قابلِ قدر تصانیف کی اشاعت کا انتظام کر رہا ہے۔"

گو جرنالہ کے ماہنامہ رضا نے مصطفیٰ نے اسی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مرکزی مجلس رضا، بالخصوص اس کے رُوح رواں... اعلیٰ حضرت کی عظیم شخصیت کے تعارف اور آپ کی تعلیمات و تحقیقات کی نشر و اشاعت کے لیے جو مخلصانہ کوششیں سرانجام دے رہے ہیں کتاب ہذا اس کی ایک عظیم حسین کڑی ہے۔ کتاب کے مولف مولانا اختر شاہ جہا پوری ہیں اور جیسا کہ اس کے

نام سے ظاہر ہے، اس میں اعلیٰ حضرت کے فقہی مقام پر روشنی ڈالی گئی ہے اور تیرہ اہم مسائل میں اعلیٰ حضرت کی تحقیقات اور فقہی معلومات بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں، جن سے آپ کے خداداد علم و فضل اور وسیع معلومات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور کوئی معاند سے معاند شخص بھی آپ کے فقہی مقام و بلندیٰ افکار اور محققانہ شان سے انکار نہیں کر سکتا، بشرطیکہ وہ جاہل مطلق و کورن محض نہ ہو۔

آخر میں بصداق الفصل ما شہدت بہ الاعداء خود مخا لفين اہلسنت کے علماء و جرائد کی شہادتیں پیش کی گئی ہیں، جن میں اعلیٰ حضرت کے عظیم علم و فضل عشق رسالت اور فقہی مقام کا اعتراف کیا گیا ہے۔

گجرات کے ماہنامہ رضائے حبیب نے اس پر تبصرہ لکھتے ہوئے یوں اپنے تاثرات کا اظہار کیا:

”زیر تبصرہ کتاب اعلیٰ حضرت بریلوی کا فقہی مقام، جس کے مصنف اختر شاہ جہانپوری ہیں، کو مدلل اور شگفتہ انداز بیان میں ترتیب دیا ہے۔ اس کتاب میں ساتھ ہی اعلیٰ حضرت کے بعض اہم فتاویٰ کی جھلکیاں بھی ہیں، جن کے مطالعہ سے ان کے فقہی مقام اور حسن تدبیر کا پتہ چلتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان کے درجہ امامت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ بہر کیف یہ کتاب وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اسلوب بیان کی موثر خوبیوں سے مخالف حضرات پر بھی اس کا مطالعہ گراں نہیں گزرتا بلکہ ان کے اذہان و قلوب میں انقلابی تبدیلی پیدا کرتا ہے۔“

ماہنامہ حنفی لائپور نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے تاثرات کا یوں اظہار کیا:

”زیر تبصرہ کتاب دراصل اختر شاہ جہان پوری کا مقالہ ہے، جس میں اعلیٰ حضرت قدس کے بعض فتاویٰ کی جھلکیاں بڑے سلیقے سے مرتب کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ فاضل مؤلف نے فاضل بریلوی قدس سرہ کے فقہی مقام اور درجہ امامت پر سیر حاصل

۱۔ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ، بابت ذیقعد ۱۳۹۱ھ ص ۲۱

۲۔ رضائے حبیب، گجرات، بابت جنوری فروری ۱۹۶۱ء، ص ۳۹

بحث کی ہے اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ : ۵
 الفاظ کے نگر میں مطالب کی چاندنی
 فقروں میں کمکشاں کی ضیاء ہے ڈھلی ہوئی

بہر کیف زیر تبصرہ مقالہ وقت کی اہم ضرورت تھا اور مرکزی مجلسِ رضا نے جس اہتمام سے اس کی اشاعت کی ہے اور آئندہ کے لیے جن عزائم کا اظہار کیا ہے، وہ قابلِ تحسین ہے۔ اس مقالے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مخالف حضرات کو بھی اس کا مطالعہ مفید رہے گا اور محض گروہی تعصب کی بنا پر بلا تحقیق و جستجو اُن کے ذہنوں میں جو غلط فہمیاں پیدا ہو چکی ہیں، وہ دُور ہو جائیں گی، کیوں کہ مؤلف نے مقالے کے آخر میں اظہارِ حقیقت کے عنوان سے مخالفین کا اعتراف

بھی شامل کر دیا ہے : ۱۰

ماہنامہ نبضِ رضا لاہور نے اس مقالے کے بعض حصّوں کو اپنے پرچے میں شائع کیا اور ماہنامہ حنفی لاہور نے نوپورے مقالے کو تین قسطوں میں شائع کر دیا، حالانکہ یہ ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا اختر الحامدی الرضوی مدظلہ نے جب اس کتاب کا مطالعہ کیا اور معارفِ رضا کے مسودے پر مطلع ہوئے تو اپنے تاثرات کو ان لفظوں میں سپردِ قلم کیا :

” پہلے صحیفہ عالیہ دو روز بعد تصانیف عالیہ نظر نواز و باصرہ افزہ ہوئیں۔ اندازِ تحریر انتہائی دل نشین، شگفتہ اور عام فہم نیز مدلل اور عالمانہ ہے۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو تادیر زندہ سلامت رکھے اور تمام اراکین مجلسِ رضا کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آپ نے ایک ایسی شخصیت پر قلم اٹھایا ہے کہ جس پر کچھ لکھنا بڑے دل گردے کا کام ہے اور اب تک جن حضرات نے کچھ لکھا وہ ناکافی اور بالکل نہ ہونے کے برابر۔ میرے پاس زبانِ سپاس نہیں کہ میں آپ کے اس عظیم کارنامے کی تعریف کر سکوں۔ آپ بہت بڑا کام کر رہے ہیں اور لاریب یہ حضورِ مجددِ اعظم اور

لہ حنفی، لاہور، بابت دسمبر، ۱۹۶۹ء

مفتی اعظم دہلی رحمۃ اللہ علیہما کا آپ پر کرم خاص ہے۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے۔
یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔
”خدا آپ کی عمر میں برکت کرامت فرماتے، آپ نے المحضرت قدس سترہ پر
جتنا کام کیا ہے پھیلے برس میں مجموعی طور پر ہمارے رضوی علماء کو اس کی توفیق
نصیب نہ ہوئی۔ حَبْرَاتُكُمْ اللَّهُ أَسْنَنَ الْجَزَاءِ۔ حقیقت ہے کہ یہ سعادت
قسام ازل نے آپ کے لیے رکھ چھوڑی تھی۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ
مَنْ يَشَاءُ۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانه بخشہ خدائے بخشندہ

مولیٰ تعالیٰ آپ کو تادیر زندہ سلامت رکھے اور آپ کے کارناموں کو پائندہ و
تائیدہ (آمین) مگر ایک گزارش ہے، اپنی صحت کا بھی خیال رکھئے، کہیں
کثرتِ کارِ صحت پر اثر انداز نہ ہو۔ آپ تو بڑے کام کی چیز میں، گرانمایہ چیز،
انمول، گویا ایک دانہ۔

۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء میں مولانا سعید احمد نقشبندی مدظلہ کی تصنیف لطیف مسلک امام ربانی
مکتبہ حامد پور گنج بخش روڈ لاہور سے شائع ہوئی۔ موصوف کو یہ کتاب ملک حسن علی شرف پوری کی تالیف
تعلیماتِ مجددیہ کے مغالطوں کی وجہ سے لکھنی پڑی تھی۔ مولانا موصوف نے اس کتاب کا پیش لفظ
بصد ہجو کر راقم الحروف سے لکھوایا۔ باری تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ راقم الحروف کے
یہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ جید علماء کرام تک نے سید پسند کیے اور انہوں نے شاندار لفظوں میں
اظہار خیال کیا، چنانچہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے ناظم اعلیٰ، مولانا مفتی محمد عبدالقیوم صاحب
ہزاروی مدظلہ نے اس کے بارے میں اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے فرمایا:

۱۔ مکتوبِ گرامی، مسئلہ، جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ

۲۔ مکتوبِ مجتہد، مسئلہ، ۲ نومبر ۱۹۷۳ء

”ملک حسن علی شہر قپوری نے عجیب ہوشیاری سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی فرضی عقیدت کا دامن تھام کر تعلیماتِ مجددیہ کتاب لکھو ماری، جس میں شیخ مجدد کے مسلک کی، خود اُنھیں کی جھولی میں بیچھ کر تردید و تضحیک کرنی چاہی یعنی حضرت امام ربانی کے مذہب حقہ اہل سنت و جماعت کے بیباک مبلغ و ترجمان، امام اہلسنت شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو ہدف تنقید بنایا ہے گویا شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کی ریش مبارک پر ہاتھ ڈالنے کی غرض سے ملک صاحب خود اسی سرکار کی گود میں جا بیٹھے ہیں۔

باری تعالیٰ شانہ کی عادتِ کریمہ ہے کہ وہ اپنے خالص بندوں کے ننگ و ناموس کی خود حفاظت فرماتا ہے۔ مخالفین اویانے کرام کے جال کو وقت آنے پر تارِ عنکبوت سے کمزور دکھا دیتا ہے اور اپنے کسی ایسے بندے کو کھڑا کر دیتا ہے، جو باطل پرستوں کے چہروں پر نام نہاد حقانیت کی پڑی ہوئی نقابوں کو بڑے سلیقے سے الٹ کر ان کے حقیقی خد و خال ظاہر کر دے۔

حضرت مجدد الف ثانی اور مجدد مانہ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہما کی مبارک رُوحوں کا تصرف و فیضان ہے کہ اس سنتِ الہیہ کا مظاہرہ جناب اختر شاہ جہا نپوری کے ہاتھوں ہوا۔ اختر صاحب نے مسلک امام ربانی کے ابتدائیہ میں مکتوباتِ امام ربانی کے تحت تعلیماتِ مجددیہ کتاب کی تلبیسات کا پوسٹ مارٹم کر دکھایا۔ کمال مہارت اور وسیع النظری سے مسلک اہلسنت و جماعت کی حقانیت کو یوں بیان کیا کہ مخالفین کے فرار کی ہر گلی بند کر دی۔ ساتھ ہی ملک صاحب کی خیانتوں اور ہتدین زمانہ کے خلاف اہل حق پر و پیگنڈے اور اعتراضات و الزامات کو باطل پرستی ثابت کر کے خود وہابیہ کی بے شمار مستمک کتب تواریخ کی روشنی میں ان کے اکابر کی اسلام دشمنی منفرد مؤرخانہ انداز میں دکھائی ہے، جس کی نظیر اس سے پہلے نظر نہیں آئی۔ بفضلہ تعالیٰ ہمارے اختر نے دکھایا ہے کہ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا

ملک حسن علی شرقپوری اور ان کے ہمناؤں کو اختر صاحب کی نگارشات پر ممکن ہے غصہ تو بہت آیا ہو کیونکہ اتنی کامیابی سے وہابیت کے رنگ برنگے علمبرداروں کے حقیقی خدو خال کسی سے ظاہر نہیں کیے جاسکتے تھے۔ اس صاف دشمنانہ آئینے کو فریقین کے سامنے رکھ دینا مبتدعین کی نظر میں شاید کھٹکے، لیکن اس میں بیچارے اختر شاہجہان پوری کا کیا قصور؟ یہ تو مجدد الف ثانی قدس سرہ کی غیرت کا تقاضا اور اللہ تعالیٰ کے قانون کا ایک مظاہرہ ہے جو ملک اختر کے ذریعے منظر عام پر آیا۔ وہابی حضرات اگر تعصب کو چھوڑ کر انصاف سے کام لیں تو انہیں اختر صاحب کا شکر گزار ہونا چاہیے، جنہوں نے ان کے شبہات کو مٹا کر راہ ہدایت دکھادی ہے۔ بہر حال علمائے اہلسنت و جماعت کے ساتھ راقم الحروف بھی اختر شاہجہان پوری کی ان نگارشات کے پیش نظر ان کا شکریہ ادا کرنے پر مجبور ہے۔ لے

جامعہ حنفیہ شرف المدارس اوکاڑہ کے ناظم اعلیٰ و شیخ الحدیث، علامہ مفتی ابوالبیان غلام علی صاحب مدظلہ العالی نے اس پیش لفظ کے بارے میں اپنے تاثرات یوں قلمبند فرمائے:

”اس کتاب کا دیباچہ یعنی پیش لفظ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ علامہ اختر شاہجہان پوری نے وہابیہ و دیابند کی انگریز دوستی اور فرنگی نوازی اور حکومت برطانیہ سے وفاداری کے بارے میں ان حیرت انگیز حقائق کا انکشاف کیا ہے کہ شاید کسی دوسری کتاب میں مجموعی طور پر اتنا ٹھوس تاریخی مواد ایک جگہ جمع نہ مل سکے۔ میری رائے میں اگر پیش لفظ میں کچھ ترمیم و اضافہ کر کے مستقل نمائش کی شکل میں شائع کر دیا جائے تو اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گا۔ لے

منڈی بوری والا کے خطیب اعظم اور اہلسنت و جماعت کے ممتاز عالم دین، مولانا شبیر احمد ہاشمی مدظلہ العالی نے جب احقر کی ان پر اگندہ مسطور کو ملاحظہ فرمایا تو سچی محظوظ ہوئے

لے مہری دستخطی مکتوب گرامی بنام مولانا انوار الاسلام صاحب محررہ ۳۱ مارچ ۱۹۶۴ء
لے مکتوب گرامی، بنام راقم الحروف، مرحلہ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ / ۱۴ مئی ۱۹۶۴ء

اور فوراً اپنے تاثرات سپرد قلم کر کے ارسال فرماتے۔ موصوف لکھتے ہیں:

”اس کتاب مسکبِ امام ربانی کے آغاز میں پیش لفظ کے عنوان سے ۱۰۹ صفحات کا جو مقالہ حضرت عبدالحکیم خاں صاحب اختر شاہ جہان پوری نے قلمبند فرمایا ہے، وہ تو اپنی مثال آپ ہے۔ یعنی کتاب اگر جسم ہے تو اختر صاحب کا پیش لفظ جان ہے۔ اختر صاحب نے خانوادہ توہینِ رسول کے تمام مکائد کو علمی اور ادبی انداز میں جس طرح تباہ کیا ہے اور ان کے استدلال اور استنباط کی جس طرح چھٹاڑ کی ہے باید و شاید۔ حضرت اختر نے حدیثِ مجدد سے استدلال فرما کر حضرت مجدد الف ثانی اور مجدداتہ حاضرہ اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک کے کارہائے تجدید دین کو مختصر اور جامع الفاظ میں سمویا بھی ہے، اگیار سے رفاء بھی کیا اور عقائدِ حقہ اہل سنت و جماعت کو مبرہن بھی فرمایا ہے۔“

اس پیش لفظ کو پڑھ کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اختر شاہ جہان پوری محض ایک لغزگو شاعر ہی نہیں ایک صاحبِ طرز قلمکار اور صاحبِ علم، محققِ اہلسنت بھی ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقیدت موصوف کے رگ و ریت میں رچی بسی ہوئی ہے۔ اختر صاحب کے قلم کو رضا کے فیض سے خنجرِ خونخوار اور برق بار کہا جاتے توبالغہ نہیں۔

ان کے اور اہلسنت کے اعدائے تعلیماتِ مجددیہ کے نام سے خیر کو چیلنج کیا اور شر کو ابھارا تو اختر صاحب کے قلم نے شر کو ٹھکانے لگایا اور خیر کا دفاع کیا۔ اختر صاحب کے قلم کی رعنائی اس لحاظ سے بھی دیدنی ہے کہ وہ دینی اعداء اور دشمنانِ اہلسنت کے درونِ خانہ سے خاصی واقفیت رکھتے ہیں۔ مجھے پیش لفظ پر پیش لفظ کا کتنا مطلوب نہیں ورنہ میں عباراتِ اختر صاحب کی ادبی، فنی اور دینی معلومات کی گہرائیوں کو مسلکِ ترتیب میں پر دکر واضح کرتا۔ میری دعا ہے کہ ربِّ ذوالجلال حضرت موصوف پر اپنا فضل و کرم اور اپنے حبیبِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر عنایت دائم و قائم رکھے۔ امین ثم امین۔“

لے تاثرات مرسلہ بنام مولانا انوار الاسلام صاحب، مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۶۷ء

چھیڑ صلح جھنگ کی انجمن رضائے مصطفیٰ کے ناظم اعلیٰ جناب محمد اسمعیل خاں نے اس
 ویباچے کو پڑھا تو حیران رہ گئے۔ یہ احقر کے ولی نعمت، مرشد برحق، مفتی اعظم دہلی حضرت
 شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر کرم اور ان کے طفیل فیض رضا کی بارش کا نتیجہ ہے کہ راقم الحرف
 کی صرف دو ہفتے کی محنت، جسے ٹوٹے پھوٹے الفاظ کا جامہ پہنا دیا تھا، اُسے خدائے ذوالمنن
 نے شرف قبولیت بخشا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ چند اوراق علمائے کرام کو اس درجہ پسند آئے کہ شاید
 زمانہ حال کی کسی بڑی سے بڑی تصنیف کو بھی اتنا سراہا گیا ہو۔ اسی کے پیش نظر ناظم اعلیٰ
 موصوف یوں رقمطراز ہوئے :

’بندہ نے کتاب مسک امام ربانی میں حضرت اختر شاہ جہان پوری مدظلہ کے تشریح کردہ
 پیش لفظ کا بغور مطالعہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ احقر نے دوران مطالعہ بین
 محسوس کیا کہ جناب اختر شاہ جہان پوری ہمارے صاحب طرز اور مایہ ناز اہل قلم
 ہیں۔ آپ کا قلم بد مذہبوں کا کمال مہارت سے پوسٹ مارٹم کرتا ہے کیونکہ وہ
 پیغام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیباک ترجمان اور اس گئے گزرے
 زمانے میں عشق رسول کی صلوانے عام ہے۔ علمی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو
 یہ پیش لفظ صور اسرافیل ہے۔ بالغلط نہ ہوگا اگر میں یہ کہوں کہ حضرت شاہ جہان پوری
 کا قلم، اپنے جاندار علمی کارناموں کی روشنی میں فی زمانہ تمشیر بے پیام ہے نیز
 مدلل زور بیان سے محاب سے اور محاکمے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ الحمد للہ، ماشاء اللہ
 سستیوں کے لیے آپ کا وجود نعمت خداوندی ہے۔ ص

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

مولانا اختر الحامدی الرضوی مدظلہ کو حضرت حجت الاسلام شاہ محمد حامد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ
 علیہ کے ارادتمندوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ ایک ممتاز عالم دین، رضویت
 کی پاکیزہ نشانی اور نعت گو شعراء میں ایک خاص منصب رکھتے ہیں۔ موصوف نے جب

لے تاثرات مرسلہ بنام مولانا انوار الاسلام صاحب، یکم ربیع الاول ۱۳۹۴ھ / ۲۶ مارچ ۱۹۷۴ء

مسکب امام ربانی کتاب کو پڑھا اور اس کے پیش لفظ کے تیور دیکھے تو پھر ک اٹھے اور یوں اپنے تاثرات از خود لکھ کر ارسال فرمائے:

”کتاب بہت خوب ہے، بہت ہی خوب اور دیباچہ اس کی روح۔ میرا خیال ہے کہ یہ دیباچہ علیحدہ بھی کتابی شکل میں شائع ہو جائے تو بہتر ہے کہ کم قیمت پر ہر غریب خرید سکے اور فائدہ اٹھا سکے۔ آپ کی تحریر کیا ہے، غضب، قیامت! کیا روانی ہے؟ کیا سلاست ہے؟ اور اس کے ساتھ ہی حسن استدلال، سبحان اللہ! مجھے تو آپ کی تحریر پر رشک آتا ہے۔ یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ ص
تا نہ بخشد خدا تے بخشندہ

راقم الحروف نے گزارش کی کہ حضور والا! پسند کرنے کا تیر دل سے شکر گزار ہوں لیکن میری خواہش تو یہ تھی کہ آپ رہنمائی فرماتے تنقیدی نظر سے دیکھ کر غلطیوں سے مطلع فرماتے۔ مجھے تعریف کی نسبت تنقید کی ضرورت زیادہ ہے جو خوب سے خوب تر کی جانب لے جائے۔ موصوف نے جواباً فرمایا:

”تنقید! چہ خوب۔ آپ نقاد کو قلم رکھنے ہی کب دیتے ہیں؟ اور اس میں خامیاں ہیں کہاں؟ گستاخی معاف اگر کتاب سے پیش لفظ کو علیحدہ کر دیا جائے تو کتاب کی معنوی خوب صورتی ختم ہو جاتی ہے۔ کتاب کی جان جناب کا دیباچہ ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس دیباچہ کو علیحدہ بھی شائع کیا جائے۔ جناب کے دیباچے کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ بھی بہت بڑے مقدمہ باز ہیں یعنی اپنے دور کے سب سے بڑے مقدمہ نویس۔ مقدمہ نویسی کے فن پر آپ کو مکمل عبور حاصل ہے اور آپ کی گرفت اس پر بہت مضبوط ہے۔ ص

اللہ کرے حسن رستم اور زیادہ

کاش! کوئی درد مند آپ کے یہ تمام شہ پارے ایک جگہ جمع کر کے کتابی شکل

مشفق فرمائی ہے مولانا اختر شاہ جہان پوری نے اس قسم کے تمام لغو اور باطل اعتراضات کے مفصل اور مدلل جواب اپنے انوکھے اور زالے قلم سے احسن طریق پر اس پیش لفظ میں دئے ہیں، جو اپنی مثال آپ ہیں اور ثابت کیا ہے کہ اہلحدیث، دیوبندی، نیچری، مرزائی، منکرین حدیث وغیرہ برٹش گورنمنٹ کے دور کی پرفتن یادگاریں ہیں۔ جملہ بتدعین اپنے روز اول ہی سے اہلسنت وجماعت سے انگریزوں کی ہدایت کے مطابق برسرِ پیکار چلے آ رہے ہیں اور اپنے ناپاک کرتوتوں سے مسلمانوں کی توجہ ہٹانے کے لیے اہلسنت وجماعت کو مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا جاری کردہ فرقہ بتاتے رہتے ہیں کتاب کی اشاعت پر فاضل مصنف اور اختر شاہ جہان پوری مبارکباد کے مستحق ہیں۔ جیسی کتاب کی تزئین خوبصورت ہے اسی طرح ہر لحاظ سے مضمون نہایت حسین و جمیل، خصوصیت سے اختر شاہ جہان پوری کا دیباچہ قابلِ مطالعہ اور لائقِ داد ہے۔" لے

فارمین کرام! بطور نمونہ چند اخبارات و رسائل اور بعض بزرگوں کے تاثرات اس دوران کی صرف دو تحریروں کے بارے میں پیش کیے ہیں۔ خدا شاہد ہے کہ یہاں ہرگز ہرگز اپنے منہ میاں مٹھو بننا مقصود نہیں کیونکہ من آنم کہ من دانم۔ یہ اللہ جل شانہ کا اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں فضل و کرم ہے کہ کیسے کیسے علمائے کرام اس علمی لحاظ سے قلائش اور تہی دست کو ایسے لفظوں سے یاد کرتے ہیں۔

گدائے در اولیاء:

عبدالحکیم خان اختر
مجددی مظہری شاہ جہان پوری
لاہور



لے ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی، بابت ماہ اگست ستمبر ۱۹۶۴ء، ص ۱۱۲ تا ۱۱۶

فصل ۱۰
در بیان فضیلت
و جلال حضرت
علی (ع)
و در بیان
فضیلت
و جلال
حضرت
علی (ع)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ

بِسْمِ اللَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ

عظمتِ سنت و جماعت کا مستند صحیح معیار
سورۃ

کتاب الشریف

بے ادبی و بے حرمتی سے مبرا بے نظیر ترجمہ بے عدیل تفسیر

ترجمہ: امام اہل سنت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت
شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ

تفسیر: صدر الافاضل حضرت علامہ نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ خریدتے وقت گنزا ایمان کا نام ضرور یاد رکھیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ

بِسْمِ اللَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ

عظمتِ سنت و جماعت کا مستند معجم
بہارِ اہل سنت و جماعت

کونز انبان

بے ادبی و بے حرمتی سے مبرا بے نظیر ترجمہ بے عدیل تفسیر

ترجمہ: امام اہل سنت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت
شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ

تفسیر: صدر الافاضل حضرت علامہ نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ خریدتے وقت گنزا ایمان کا نام ضرور یاد رکھیں

فیضانِ امامِ ربانی



شائع کردہ

ادارہ غوثیہ رضویہ

کرم پورک مصری شاہ۔ لاہور۔ پاکستان